

ہمارے تعالیٰ

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفویٰ سے شرارِ بولہبی



دین اور مذہب کی کشمکش

(تاریخِ انسانیت کا اہم ترین باب)

پرویز

باسمہ تعالیٰ

دین اور مذہب کی کش مکش

طلوع اسلام کی سالانہ کنونشنوں میں ایڈووکیٹ صاحب کے خطابات، تحریک فکریہ قرآنی کے سفر میں سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ گزشتہ دو سالوں (۱۹۶۷ء تا ۱۹۶۸ء) میں ملک حالات میں عدم سکون کی وجہ سے کنونشنیں منعقد نہ ہو سکیں تو ایڈووکیٹ صاحب کے خطابات کی کمی خاص طور پر محسوس کی گئی۔ اس کمی کے پورا کرنے کے لئے احباب نے اتفاقاً کیا کہ سابقہ کنونشنوں کے بعض خطابات دوبارہ شائع کر دیئے جائیں تاکہ قرآنی فکر کا جھریو بیدار رہے۔ اس تجویز کی اہمیت کے پیش نظر ان کے بعض خطابات ہدیہ قارئین کئے گئے جن سے فضا خاصی متاثر ہوئی۔ اس سے دو ایک اہم نکات بھی سامنے آئے۔ ایک تو یہ کہ ان خطابات و مقالات کی حیثیت، اخباری خبروں کی سی نہیں جن کی زندگی ایک دن کی ہوتی ہے۔ یہ جن موضوعات سے متعلق ہوتے ہیں ان کی اہمیت مستقل حیثیت رکھتی ہے اس لئے یہ کبھی پرانے نہیں ہوتے۔ دوسرے یہ کہ طلوع اسلام کا حلقہ قارئین دن بدن وسیع ہوتا جا رہا ہے اس لئے ان "نفاذ و ان بباطن ہوائے دل" کے لئے یہ خطابات تازہ بہ تازہ اور نو بہ نو ہونے چاہئے ہیں۔ اس اعتبار سے بھی ان کی اہمیت میں کمی واقع نہیں ہو جاتی۔

امسال ارادہ تھا کہ اپریل (۱۹۶۹ء) میں کنونشن منعقد کر لی جائے لیکن فضا میں اب بھی وہ سکون نہیں جو ان کنونشنوں کے انعقاد کی شرط اولیٰ ہے۔ تحریک طلوع اسلام کوئی سیاسی تحریک نہیں جسے ہنگامہ خیز فضا زیادہ نا پس آتی ہے۔ یہ خالصتہً فکری تحریک ہے جس کے لئے قلبی اطمینان اور ذہنی سکون لاینفک ہے۔ بنا بریں، فی الحال اس کنونشن کا انعقاد ممکن نہیں۔ ایڈووکیٹ صاحب کے خطاب کی کمی پورا کرنے کے لئے ہم (حسب سابق) ان کا ایک سابقہ خطاب (بادلی تقریر) شامل اشاعت ملاحظہ کر رہے ہیں۔ انہوں نے یہ خطاب ۱۹۶۳ء کی کنونشن میں "قیامت موجودہ کے عنوان سے پیش کیا تھا۔ آپ دیکھیں گے کہ سولہ سال پہلے کی کبھی گئی باتیں آج بھی کس طرح تروتازہ ہیں۔ تروتازہ ہی نہیں، بلکہ (غالبت کے الفاظ میں) نئے کہن کی طرح یہ اور بھی گراں بہا ہو گئی ہیں۔ جو حقائق بھی قرآن کریم پر مبنی ہوں گے، مرور زمانہ سے ان کے حسن سنی میں اور جلا پیدا ہوتی جائے گی۔ اب وہ خطاب بلا حلفہ فرما رہے۔

خطاب

بادہ کشانِ خمکہ قرآن کے نام

ساقی! قدمے کہ دورِ گلزارِ گذشت مطربِ اغزلے کہ وقتِ گفتارِ گذشت
لے ہم نفس! از بہرِ دلِ زارِ بگو افسانہ آں شبے کہ با پارِ گذشت

یارانِ مسکدہ اسلام و رحمت۔

یہ ساعت کس قدر سعید، اور یہ لمحہ زندگی کیسا درخشاں ہے کہ آپ احباب! ایک سال کی طویل مدت کے بعد اپنے ولولہ شوق کو دلوں میں لے، پھر یکجا جمع ہوئے ہیں کہ کچھ وقت کے لئے کشاکشِ نذر گاہ سے الگ ہو کر بیٹھیں اور سوچیں کہ خدا نے تم پر کیا کیا کیا ہے، کس طرح پھر سے وجہ انور انیتِ عالم بنے۔ کس قدر کی مقدس آستینوں نے چراغِ تہ داماں بنا رکھا ہے، کس طرح پھر سے وجہ انور انیتِ عالم بنے۔ کس قدر حسین ہیں یہ آرزوئیں، جو آپ کو اتنے دور دراز سفر کے بعد کشاکشِ کشانِ یہاں لے آئی ہیں اور کیسا عظیم ہے وہ مفہم جس کے لئے آپ نے یہ صعوبات برداشت کی ہیں۔ میں، جب آپ احباب کے اس جذب و کیف میں ڈوبے ہوئے اجتماعِ سادہ و رنگین پر نظر ڈالتا ہوں تو میری نگاہ شوق بے تابانہ بکاار اٹھتی ہے کہ یہ

نور ہی نور ہیں دروہ یار! کون سا چاند گھر میں اترتا ہے!

برادرانِ عزیز! یہ جو ہم نے وقت کے کارواں سے فرصت کے چند لمحات چھین لئے ہیں، تو اؤ ان میں

رسمِ مہر و وفا کی بات کریں پھر کسی دلِ رُبا کی بات کریں

سخت بیگانہ احیات ہے دل آؤ۔ اس آشنائی کی بات کریں

گیسوؤں کے فسانے و صرائیں اپنے بختِ رسا کی بات کریں

کس قدر قابلِ صدرِ شک ہے زندگی کے وہ لمحات جو رسمِ مہر و وفا کی باتوں میں گزریں۔

عزیزانِ میں! علامہ اقبالؒ نے کہا ہے کہ یہ

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز چراغِ مصطفویؐ سے شرابِ ولہبی

سوال یہ ہے کہ چراغِ مصطفویؐ کیا ہے جس کے ساتھ ازل سے تا امروز شرابِ ولہبی پینے کا حال آئے

ہے۔ یہ کونسی کش کش ہے جس کا سلسلہ دراز، نوری انسان کی پوری تاریخ کو محیط

ازلی کش کش

ہے۔ اس تماشہ گاہ میں ہزاروں قدیم آئین اور چل گئیوں سسٹیموں نظام ابھرے اور بیٹھ گئے متعدد تہذیبوں کے چراغ جلے اور بجھ گئے۔ لیکن وہ کون سے ایسے حریفانِ ازل ہیں جن کی باہمی آویزش پرانی تمام تغیرات کا کوئی اثر نہ ہوا، اور ان کی ستیزہ کاری کا سلسلہ، ہر دور اور ہر مقام میں بدستور جاری رہا۔ اور اب تک جاری ہے۔ آپ انسانی تاریخ پر جس قدر بھی غور کریں گے ایک ہی نتیجہ پر پہنچیں گے، کہ وہ کش مکش پیچیدہ۔ وہ ستیزہ مسلسل۔ وہ آویزش متواتر۔

دین اور مذہب کی جنگ

ہے جس دن سے شعور انسانی نے آنکھ کھولی، اس جنگ کا سلسلہ شروع ہوا اور یہ سلسلہ اب تک جاری ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ ملوکیت۔ سرمایہ پرستی وغیرہ بھی انسانیت کے کم دشمن نہیں، لیکن اگر آپ ذرا بہ نظر تعمق دیکھیں گے تو یہ حقیقت سامنے آجائے گی کہ یہ، اور اسی قسم کے دیگر مستبدانہ تصورات اور نظام، مذہب ہی کے سہارے قائم رہے ہیں اور جب دین نے مذہب کو مٹایا تو پھر اس کے ساتھ یہ خود بخود مٹ گئے۔ اس لئے اصل کش مکش دین اور مذہب ہی کی ہے۔

مذہب کی چیرہ دستیاباں

مذہب کا تصور مفاد پرست انسانوں کے ذہن کا تراشیدہ ہے جن کا مقصد یہ تھا کہ وہ دوسرے انسانوں کی کماٹی پر عیش کی زندگی بسر کریں اور یہ کچھ اس انداز سے کریں کہ یہ انہیں لوٹیں اور وہ انہیں دفاتیں دیں۔ یہ انہیں دھتکاریں اور وہ ان کے پاؤں پٹیں۔ یہ انہیں بلا جرم و قصور گالیاں دیں اور وہ گیر گیر کر معافیاں مانگیں۔ یہ بھری محفل میں انہیں بے عزت کریں لیکن وہ اپنے کمرے کی تنہا بچوں میں، اپنے دل کے اندر بھی ان کی شان میں گستاخی کا خیال تک نہ لاسکیں۔ یہ ان سے ہر قسم کی خدمت اور بیگار لینا اپنا حق سمجھیں اور وہ ان کے ہر حکم کی تعمیل اپنی زندگی کا مقدس ترین فریضہ قرار دیں۔ ان کے ادنیٰ سے اشارے پر اپنے سینے میں خونریز گھونپ لیں۔ اپنے بچوں کے گلے پر چھری بھر دیں۔ آگ میں کود پڑیں۔ پہاڑ کی چوٹی سے سر کے بل نیچے آگریں۔ تختہ دار پر پسی خورشی چڑھ جائیں۔ ان کی برحقوں کے آہنی پھیروں کے نیچے آکر کچلے جائیں۔ یہ اپنے جس حریف کے خلاف چاہیں، انہیں گھڑا کر دیں، اور وہ اتنا جانے اور پوچھے بغیر کہ میں ان کے خلاف کیوں لڑا جا رہا ہے، ان کی جانیں لیتے اور اپنی جانیں دیتے جائیں۔ وہ خود بھوکے رہیں اور ان کے خادموں کو نعمتیں کھلائیں۔ اپنے بچوں کو فاقے سے رکھیں اور ان کے کتوں کو دودھ پلائیں۔ خود سنگے بدھیں اور ان کے پتھروں کو حریر و اطلس کے لباس سے پہنائیں۔ آپ خس و خاشاک کی جھوٹیوں میں زندگی کے دن کاٹیں اور ان کی پٹیوں کی راکھ پر سنگ مرمر کی فلک بوس عمارت استوار کریں۔ زندگی میں تو ایک طرف، ان کی موت کے بعد بھی ان کے دل پر ان کا خوف اس طرح طاری رہے کہ وہ ان کے تصور سے ڈرتے، کانپتے، لرزتے، سہمے رہیں۔ مگر نیک یہ ہر وقت ان بے چاروں کے اعصاب پر چھلاوے کی طرح سوار اور ان کے ذہن پر بھوت بن کر چھائے رہیں اور وہ ان کے پیچھے کی آہنی گرفت سے کبھی نکلنے نہ پائیں۔

یہ ہیں اس مذہب کے چند گوشے جسے مفاد پرست انسانوں کی عقل فریب کا ہونے تراشا اور جسے مکرور اور نافرمانوں کا خون چوسنے کے لئے ایک مؤثر ترین حربہ کے طور پر استعمال کیا گیا۔ اس میں مشابہ نہیں کہ ملکیت اور سرمایہ داری کا استبداد بھی کچھ کم استخوان شکن اور خون آشام واقع نہیں ہوا۔ لیکن انہیں اپنے غلبہ و تسلط کی زنجیریں مستحکم رکھنے کے لئے سینکڑوں قسم کی قوتیں فراہم اور ہزارہ قسم کے حربے استعمال کرنے پڑتے ہیں اور پھر بھی انہیں ہر وقت دھڑکا لگا رہتا ہے کہ کب شکاک ان کے جال سے نکل جائے۔ لیکن مذہبی دسیسہ کاروں کا تو یہ عالم ہے کہ اس میں ——— صید خود صیاد را گو بد بگیر ——— اس میں کیفیت یہ ہوتی ہے کہ اگر کوئی ان کی غلامی کی زنجیروں کو توڑنے کی کوشش کرے تو یہ غلام آگے بڑھ کر اس کا گلا گھونٹ دیں۔ اور اگر کسی وقت کوئی زنجیر اتفاقاً ٹوٹ جائے تو یہ اس کے ٹوٹے ہوئے حلقوں کو اپنی مڑکاں ارادت سے اٹھا کر چوبیس اور بصد عقیدت اپنے گلے میں ڈال لیں۔

مذہب کی گرفت

مذہب نے اپنی تمام مہرہ بازیوں اور سحر انگیزیوں کے لئے صرف ایک بنیادی حربہ استعمال کیا اور وہ یہ کہ اس نے جو کچھ لاپاڑا ہے "خدا" کی طرف منسوب کر دیا۔ اس کی ساری گرفت کا راز اسی میں ہے۔ اس کے لئے، اس نے پیش بدعتی یہ کہ لوگوں کو سوچنے سمجھنے سے دُور رکھا جائے اور عقل و فکر کے قریب نہ آنے دیا جائے۔ کوئی جتنی زیادہ جہالت آمیز باتیں کرے اسے اتنا ہی زیادہ خدا کا مقرب سمجھا جائے۔ جو جس قدر زیادہ بعد از علم و عقل امور پر یقین ظاہر کرے، اسے اتنا ہی زیادہ پختہ ایمان والا قرار دیا جائے۔ ارباب مذہب کی ٹیکنیک ہی یہ ہوتی ہے کہ اپنے معتقدین کو جہالت کے محوطے سے باہر نہ نکالے دیا جائے۔ تو ہم پستیوں پر ایمان کا مدار، اور مجبور پسندیوں کو صداقت کا شعار قرار دیا جائے۔ ان کی طرف سے پیش کردہ عقائد پر ایمان لایا جائے تو بلا علم و دلیل، اور ان کے احکام کی تعمیل کی جائے تو یہ پوچھے بغیر کہ اس سے بالآخر مقصد کیا ہے۔ مذہب کی طرف سے جو کچھ پیش کیا جاتا ہے اس کے حق میں اس کے پاس ایک ہی دلیل اور ایک ہی سند ہوتی ہے۔ اور وہ یہ کہ ایسا کچھ پیچھے سے ہوتا ہوا آ رہا ہے۔ ہمارے اسلاف کا یہی مسلک تھا۔ اگر کوئی شخص مذہب کے پیش کردہ کسی عقیدے یا مسلک پر اعتراض کرے تو عوام کو یہ کہہ کر بھڑکا دیا جائے کہ یہ شخص تمہارے اسلاف کی توہین کرتا ہے۔ اور عوام کے جذبات کو جھڑکا کر جس قدر فتنہ و فساد برپا کیا جاسکتا ہے، مذہب کی تادیب خود بچکان کا ایک ایک ورق اس پر ملتا رہے۔

حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں جس قدر خوں ریزیاں اور فساد انگیزیاں مذہب کے مقدس نام پر ہوتی ہیں، ہلاکت اور جنگیں کے حصہ میں ان کا عشر عشر بھی نہیں آیا ہوگا۔ یہی وہ حربہ ہے جس سے ارباب مذہب اپنے مخالفین کو اس طرح ڈرا دھمکا کر رہتے ہیں کہ وہ ان کے خلاف ایک لفظ تک کہنے کی جرأت نہیں کر سکتے۔ مذہب کا سارا مدار عوام کے جذبات پر ہے۔ اس

کے لئے وہ اس قسم کے مواقع پیدا، ایسی تقریبات وضع کرتے رہتے ہیں جن سے عوام کے جذبات میں شدت آتی رہے، اور ان کی یہ آگ بجھنے نہ پائے۔

یہ ہے اس مذہب کا اجمالی سا تعارف، جو پہلے دن سے آج تک انسانیت کی گردن میں پھانسی کا پھندا بن کر پڑا ہے۔ اور جس نے نوع انسان کی نفس نفس کو اس طرح اپنی گرفت میں لے رکھا ہے کہ وہ اس کی مرضی کے خلاف، ذرا سی حرکت بھی نہیں کر سکتی۔

اور یہی ہے اس کی وہ آہنی گرفت جس سے نوع انسان کو چھڑانے کے لئے، خدا کی طرف سے

دین آتا رہا۔ اس دین خداوندی کے پیامبر، حضرات انبیاء کرامؑ تھے جو مذہب کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے انسانوں کو آزادی کی دعوت دیتے تھے۔ وہ انسانوں

خدا کا دین

کو اس جنگل سے آزاد ہونے کی دعوت دیتے تھے۔ اور اباب مذہب اپنی پوری قوتوں کو مجتمع کر کے ان

کے خلاف اٹھ کھڑے ہوتے تھے۔ اس محاذ میں اباب اقتدار، ان کے پشت پناہ اور سرمایہ دار طبقہ ان کا

حامی بنتا تھا۔ اس لئے کہ خدا کا دین، ان کے حق میں بھی قوموت کا پیغام تھا۔ وہ دین کو مطلوب اور مذہب

کو غالب رکھنے کی انتہائی کوشش کرتے تھے، کیونکہ مذہب کے غلبہ میں خود ان کی ہستی کا راز مضر تھا۔

دین اور مذہب کی یہی وہ کش مکش ہے جو پہلے دن سے آج تک دنیا کے ہر ملک، ہر قوم اور ہر زمانے

میں مسلسل اور پیہم چلی آرہی ہے، اور اسی کو علامہ اقبالؒ، چراغ مصطفوی سے شراب لہری کی ستیوکاری

سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور اسے انسانیت کے لئے بدترین لعنت اور خدا کا عذاب قرار دیتے ہیں۔ وہ

جاوید نامہ میں لکھتے ہیں:۔

چار مرگ اندر پیئے امی دیر میر سود خوار و دالی و ملا و پیر

یعنی مذہب کا شجرۃ النجوم اور اس کی پروردہ شاخیں۔ ملکیت اور سرمایہ داری۔

ہمارے زمانے میں سرمایہ داری کے خلاف جذبات شدت سے ابھر رہے ہیں لیکن بہت کم لوگوں کی نگاہ

اس طرف اٹھتی ہے کہ سب سے زیادہ شدید سرمایہ دار طبقہ تو مذہبی پیشواؤں کا ہے۔ سرمایہ دار کا یہی جرم

ہے کہ وہ خود محنت نہیں کرتا اور دوسروں کی محنت کی کماٹی پر عیش کرتا ہے۔ لیکن اسے اس کے لئے

کچھ سرمایہ لگانا (INVEST) کرنا پڑتا ہے۔ اس کے برعکس مذہبی پیشواؤں کا ہے کہ ایک

پیر (INVEST) کے بغیر دوسروں کی محنت کی کماٹی پر عیش کی زندگی بسر کرتا ہے۔ کہیے! اس

قسم کی سرمایہ داری کی مثال کہیں اور بھی ملتی ہے؟

دین اور مذہب کی کش مکش

قرآن کریم، دین اور مذہب کی اس کش مکش کے متنوع

نمونوں کو بار بار سامنے لا کر اس کی اہمیت کو اجاگر کرتا

ہے۔ وہ اس کش مکش کی ابتدا حضرت نوحؑ کی اس انقلابی دعوت سے کرتا ہے جس کی رو سے انہوں

نے، مذہب کی غیر خدائی قوتوں کی محکومیت میں جکڑی ہوئی قوم سے کہا کہ: یٰقَوْمُ اعْبُدُوا اللّٰهَ

مَّا لَكُمْ مِنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ (۲۳)۔ اے میری قوم کے لوگو! تم، مذہب کے ان اجارہ داروں کی اٹھ

افزہ محکومیت کی زنجیروں کو توڑ دو۔ اور صرف ایک خدا کے قوانین کی اطاعت کرو۔ یاد رکھو! اس کے سوا کوئی ہستی ایسی نہیں جس کی اطاعت اختیار کی جائے۔ اس آزادی کی آواز کے خلاف، ارباب مذہب اور ان کے پشت پناہ اہل اقتدار — یعنی مترقین طبقہ کے لوگ جو دوسروں کی کمائی پر عیش کرتے تھے، پورش کر کے آگے بڑھے۔ انہوں نے عوام کو اکٹھا کیا اور ان سے کہا کہ: مَا سَمِعْنَا بِطَنَافِي آيَاتِ الْاَوَّلِيْنَ (سپ) جو کچھ یہ شخص کہتا ہے وہ تمہارے اباؤ اجداد کے مسلک کے خلاف ہے۔ یہ تمہیں تمہارے بزرگوں کی روش سے برگشتہ کرنا چاہتا ہے۔ اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلٌ يَّهْجُوْكُمْ (سپ) یہ پاگل ہے اس کی کوئی بات نہ سنو۔

اس کے بعد قرآن کریم نے سلسلہ انبیاء کرام کی ایک ایک کڑی کا ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ ان میں سے ہر ایک کی دعوت یہی تھی کہ کسی انسان کو اس کا حق حاصل نہیں کہ وہ دوسرے انسان کو اپنا محکوم اور اطاعت گزار بنائے۔ اطاعت صرف قوانین خداوندی کی کی جاسکتی ہے جنہیں وہ (بذریعہ وحی) اپنی کتاب میں دیتا ہے۔ وہ یہ دعوت دیتے رہے اور ان کے خلاف، ہر زمانے میں، اور ہر مصلحت پر مذہبی پیشوائیت اور ارباب ثروت و اقتدار متحدہ محاذ بنا کر کھڑے ہوتے رہے۔ ان کے پاس عوام کے جذبات کو مشتعل کرنے کے لئے ایک ہی سلوگن تھا اور وہ یہ کہ: مَا هَذَا اِلَّا رَجُلٌ يَّهْجُوْكُمْ اَنْ يَّصْطَلِحَ عَمَّا كَانَتْ يَعْْبُدُ اَبَاؤُكُمْ (سپ) یہ شخص چاہتا ہے کہ تمہیں تمہارے اسلاف کے مذہب سے برگشتہ کر دے۔ اس لئے اٹھو۔ اسے پکڑو۔ حَقِّقُوْهُ وَاَنْصُرُوْا اٰلِهَتَكُمْ (سپ) اسے زندہ جلا دو اور اس طرح اپنے خداؤں کا بول بالہ کرو۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی انقلابی آواز | اناجیل سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں مذہبی پیشوائیت کا اقتدار انتہا تک پہنچ چکا تھا۔ بنی اسرائیل کے اجارہ ور رہبان نے ایک متوازی حکومت قائم کر رکھی تھی جس میں انہیں ہر قسم کے اختیارات حاصل تھے۔ صرف سزائے موت کے لئے انہیں رومی حکام کی منظوری لینا پڑتی تھی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام، محکوم اور مقہور انسانیت کو ان کے اس پنہاں استبداد سے چھڑانے کے لئے تھے۔ یہ ظلم کا ہیکل، ان مذہبی پیشواؤں کا مرکز تھا۔ داعی، انقلاب آسمانی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسی ہیکل کی بیڑھیوں پر کھڑے ہو جاتے اور انہیں لٹکا کر کٹتے کہ وہ

اے ربا کار فقیہو اور فریسیو! تم پر افسوس ہے کہ آسمان کی بادشاہت لوگوں پر بند کرتے ہو۔ کیونکہ نہ تو آپ داخل ہوتے ہو اور نہ ہی داخل ہونے والوں کو داخل ہونے دیتے ہو۔

اے ربا کار فقیہو اور فریسیو! تم پر افسوس ہے کہ ایک مرید کرنے کے لئے خشکی اور تری کا دودھ کرتے ہو اور جب وہ مرید ہو چکنا ہے تو اسے اپنے سے دونا جہنم کا ایندھن بنا دیتے ہو۔

اے ریاکار فقیہ اور فریسیوا تم پر افسوس ہے کہ تم سفیدی بھری ہونٹی قبروں کی مانند ہو جو ادھر سے تو خوبصورت دکھائی دیتی ہیں مگر اندر مردوں کی ہڈیوں اور ہر قسم کی نجاست سے بھری ہوتی ہیں۔ اسی طرح تم بھی ظاہر میں تو لوگوں کو راستہ اند دکھاتی دیتے ہو مگر باطن میں ریاکاری اور بے دینی سے بھرے ہوئے ہو۔

اے سانپ! اے افغانی کے بچو! تم جہنم کی سزا سے کیونکر بچو گے۔

(انجیل متی - باب ۲۳)

ظاہر ہے کہ مذہبی اجارہ دار، جو اپنی خدائی مسندیں بچھا کر، عوام کو لوٹتے اور ان پر حکومت کرتے تھے، اس انقلابی دعوت کو کس طرح برداشت کر سکتے تھے؟ وہ اسے، اپنی مفاد پرستیوں کے لئے کس طرح موت کا پیغام سمجھتے تھے؟ اس کا اندازہ ان کی اس چیخ اور پکار سے لگ سکتا ہے جسے انجیل برنباس میں ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ:-

تو ان لوگوں نے کاهنوں کے سردار کے سامنے مشورہ کیا اور کہا **مخالفت کیوں؟** کہ اگر یہ آدمی بادشاہ ہو گیا تو ہم کیا کریں گے..... اس جیسے

آدمی کی حکومت کے ماتحت ہمارا کیا انجام ہوگا۔ یقیناً ہم اور ہماری اولاد سب تباہ ہو جائیں گے۔ اس لئے کہ ہم اپنی خدمت سے نکال دیئے جائیں گے تو ہم مجبور ہوں گے کہ اپنی روٹی عطیہ کے طور پر مانگیں۔ حالانکہ اس وقت خدا کا شکر ہے کہ ہمارا بادشاہ اور حاکم دونوں ہماری شریعت سے اجنبی ہیں اور ہماری شریعت کی کچھ پرواہ نہیں کرتے، جیسے ہم ان کی شریعت کی پرواہ نہیں کرتے۔ اور اس سبب سے ہم قدرت رکھتے ہیں کہ ہم جو چاہیں کریں۔ اگر ہم نے غلطی کی تو ہمارا اللہ رحیم ہے اور قربانی اور روزے کے ساتھ اس کا راضی کر لینا ممکن ہے۔ لیکن اگر یہ آدمی بادشاہ ہو گیا تو ہرگز راضی نہ کیا جاسکے گا۔ جب تک خدا کی عبادت (اطاعت) ویسے ہی ہوتے نہ دیکھے جیسی موسیٰ نے نہ کی ہے۔

(انجیل برنباس - ص ۱۱۱)

آپ نے غور فرمایا کہ اس آسمانی دعوت کی اس قدر شدید مخالفت کی وجہ کیا تھی؟ بس وہی ایک وجہ! یعنی اگر خدا کا قانون رائج ہو گیا تو ہم اپنی ان مسندوں سے الگ کر دیئے جائیں گے۔ اور چونکہ ہمیں کوئی کام کاج آتا نہیں جس سے ہم اپنی روٹی کماسکیں، اس لئے ہمیں اپنی روٹی عطیہ کے طور پر مانگنی پڑے گی۔

آپ نے دیکھا کہ جسے مذہبی معاملہ کہہ کر پیش کیا جاتا ہے۔ وہ درحقیقت یکسر معاشی مسئلہ ہوتا ہے۔ انجیل برنباس کے اس بیان سے آپ نے یہ بھی دیکھا ہوگا کہ مذہبی پیشوا شیت ہمیشہ اس انداز حکومت کو پسند کرتی ہے جسے آجکل کی اصطلاح میں سبیکو کہتے ہیں۔ یعنی امیر مملکت، حکومت کے پاس رہیں اور امور شریعت مذہبی پیشوا شیت کی تحویل میں دے دیئے جائیں۔ نہ مذہبی پیشوا شیت، حکومت کے معاملات میں دخل دے اور نہ ہی حکومت ان کے حیطہ اقتدار میں دخل دے۔

نبی اکرم کی دعوت

آپ میں اس عظیم و جلیل داعی انقلاب کو دیکھتے جس پر سلسلہ نبوت کا خاتمہ ہو گیا (صلی اللہ علیہ وسلم) حضور کے ظہور قدسی کا مقصد ہی یہ بتایا گیا ہے کہ، وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ (سہ) وہ لوہے انسان کو ان زنجیروں سے آزاد کر دے گا جن میں وہ جکڑے چل آ رہی ہے اور ان کے سر سے وہ بوجھ اتار دے گا جس کے نیچے وہ بُری طرح دبی اور رکلی ہوئی ہے۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے حضور نے بھی وہی دعوت پیش کی جو حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک مسلسل و متواتر پیش ہوتی چلی آ رہی تھی اور مترفین کے طبقہ کی طرف سے اس کا جواب بھی وہی ملا جو شروع سے ملا چلا آ رہا تھا۔ یعنی مَا تَسْمِعُنَا بِخَدَا فِي الْمِلَّةِ الْخَيْرَةِ۔ جو بات یہ شخص کہتا ہے اسے ہم نے اسلاف کے مذہب میں کہیں نہیں سنا۔ لَهَذَا: اِنْ هَذَا اِلَّا اُخْتِلَافٌ (سہ) یہ غلطی، حصول اور بنائی ہوئی بات ہے۔ یعنی اس کے غلط ہونے کی دلیل یہ ہے کہ ہمارے اسلاف میں سے کسی نے یہ بات نہیں کہی۔ اس کے بعد اس طبقہ کی طرف سے جو کچھ نبی اکرم اور حضور کے رفقاء کے ساتھ ہوا، اس پر قرآن شہد اور تاریخ کے ادراک گواہ ہیں۔

نبی کے بعد کیا ہوتا تھا

اس مقام پر یہ سوال سامنے آتا ہے کہ جب حضرات انبیاء و کرام خدا کا سما دین انسانوں کو دے جاتے تھے تو اس کے بعد اس دین کے ساتھ کیا بنتی تھی کہ بعد میں آنے والے نبی کے وقت، سابقہ نبی کے پیش کردہ دین کی آواز کہیں سے بھی سنائی نہیں دیتی تھی۔ اس (نبی) کی اولیں مخاطب (بالعموم) وہی قوم ہوتی تھی جو اپنے آپ کو سابقہ نبی کی متبع کہتی تھی۔ پھر یہ کیا تھا کہ آنے والا نبی اس قوم کے مسک کو باطل قرار دیتا تھا اور یہ قوم، اس نبی کی دعوت کی اس قدر شدید مخالفت کرتی تھی۔

ہوتا یہ تھا کہ جب ایک نبی دی خداوندی دے کر چلا جاتا تو اس کے بعد، اسی قوم میں ایسے مفاد پرست لوگ پیدا ہو جاتے جو اس دین کو اپنے خیالات کی آمیزش سے، مذہب میں تبدیل کر دیتے، لیکن لوگوں سے کہتے یہ نہ کہتے کہ یہ ہمارے خیالات ہیں۔ وہ اس مذہب کو خدا کی سچی تعلیم کہہ کر پیش کرتے۔ یَكْتُمُونَ الْكِتَابَ يَأْسِدُ بِهِنَّ لَأَمَّا لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ هَذَا اَوْحَىٰ عَلَيْنَا اَللّٰهُ۔ وہ خود مشرعت وضع کرتے اور کہتے کہ یہ خدا کی طرف سے ہے۔ ایسا کیوں کرتے؟ لِيُشْكَرُوا رَبَّهُمْ ثُمَّ اَلْقَيْنَا (سہ) تاکہ اس سے کچھ پیسے کالئے جائیں۔ چنانچہ اس طرح خدا کا دین مذہب میں تبدیل ہو جاتا۔

یہ عجیب بات ہے کہ جب دین، اس طرح مذہب میں تبدیل ہو جاتا ہے، تو یہ نہیں ہوتا کہ اس میں کچھ جزوی تبدیلیاں پیدا ہو جائیں بلکہ مذہب، دین کی پہلے سطح کا نام ہو۔ یہ دونوں بالکل ایک دوسرے کی ضد بن جاتے ہیں اور ایک دوسرے کے متر مقابل کھڑے ہوتے ہیں۔ چنانچہ جن لوگوں نے مذہب اور دین کا تقابلی مطالعہ کیا ہے، وہ جانتے ہیں کہ۔

مذہب اور دین کا تقابل

دین اجتماعی نظام زندگی اور خارجی حقیقت ہے۔

دین میں معاشرہ کا انداز اور آئین بنا سکتے ہیں کہ وہ قوانین خداوندی کے مطابق متشکل ہوا ہے یا نہیں۔

دین کا مقصور عالمگیر انسانیت کی نالاج و مہبود ہوتا ہے۔

دین میں اجتماعی زندگی کے نتائج ساتھ کے ساتھ بناتے چلے جاتے ہیں کہ ملت صحیح راستے پر چل رہی ہے یا نہیں۔

دین، انسان کی علمی اور عقل صلاحیتوں کو جلا دینے کا موجب۔

دین عقل کے دیئے میں روشنی ڈالتا ہے کہ زندگی کے راستے جگمگائیں۔

دین اپنے ہر دعویٰ کو دلیل اور برہان کے ساتھ پیش کرتا ہے۔

دین، انسان کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا ہے۔ **يُخْرِجُكُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ اِلَى النُّورِ (۱۰۰)**

دین کا پیغام یہ ہوتا ہے کہ اسے

تراش از تیشہ خود جاوہ خویش

براہ دیگران رفتن حرام است

دین، انہیں حقائق کے پیچھے چلاتا ہے اور ان کے سطحی جذبات کی سطح بلند کرتا ہے۔

دین تیشہ براہمی سے ہر قدیم اور جدیدیت کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے۔

دین کا پیغام یہ ہے کہ: سچ

زمانہ با تو سازد تو بازمانہ ستیز

دین، خوف کو شرک قرار دیتا ہے اور انسان کے

مذہب، خدا اور بندے کے درمیان پرائیویٹ تعلق اور داخلی تجربہ کا نام ہے۔

مذہب میں ہر فرد اپنے اپنے طور پر مطمئن ہو جاتا ہے کہ اس کا خدا کے ساتھ رشتہ قائم ہو گیا ہے۔

مذہب میں ہر فرد کا منتہی اپنی اپنی نجات ہوتا ہے۔

مذہب میں کوئی خارجی معیار ایسا نہیں ہوتا جس سے پرکھا جاسکے کہ انسان کے اعمال صحیح نتائج پیدا کر رہے ہیں یا نہیں؟

مذہب علم کا دشمن اور عقل کا حریف ہے۔

مذہب، عقل کے دیئے گل کرتا ہے کہ اس کا چراغ جلے۔

مذہب اپنے آپ کو اندھی عقیدت کی بنا پر منواتا ہے۔

مذہب، لوگوں کو روشنی سے تاریکیوں کی طرف لے جاتا ہے۔ **يُخْرِجُكُمْ مِنَ النُّورِ اِلَى الظُّلُمَاتِ (۱۰۱)**

مذہب کی تلقین یہ ہوتی ہے کہ تم بھڑ بھڑائی کی طرح سر جھکائے، آنکھیں بند کئے پا مال راستوں پر چلتے جاؤ۔

مذہب، عوام کے جذبات کے پیچھے چلتا ہے اور ان کی تسکین کا سامان فراہم کئے چلا جاتا ہے۔

اس لئے مذہب، ہر زمانے میں نئے نئے بت تراش رہتا ہے تاکہ عوام کو ہلاک رکھے۔

مذہب کی تعلیم یہ ہے کہ: سچ

زمانہ با تو نہ سازد تو بازمانہ بسانہ

مذہب انسان کے دل میں ہر وقت خوف پیدا

13

14

15

16

17

18

19

20

کرتا رہتا ہے اور اپنی ہر بات ڈر سے سنتا ہے۔
مذہب انسان کو ہر بڑی چیز کھٹ پر سجدہ دینے
ہونا سکھاتا ہے۔

مذہب کشمکش حیات سے فرار سکھاتا ہے۔
مذہب کی تعلیم یہ ہے کہ:۔
بدربا در منافع بے شمار است
وگر خواہی سلامت بر کنار است

مذہب، مادی کائنات کو قابل نفرت قرار دے
کر اسے تباہ دینے کی تلقین کرتا ہے۔
مذہب اس دنیا کو ترک کر دینے سے آخرت کی
جنت کا وعدہ دیتا ہے۔

مذہب، تقدیر کے بہانے انسان کو یکسر
بے عمل بنا دیتا ہے۔
مذہب، کمزوروں، نالواؤں، مظلوموں کو تعلیم
دے کر مطمئن رکھتا ہے کہ یہاں سب کچھ
خدا کی مرضی سے ہوتا ہے اور راضی برضا
رہنا خدا کے مقرب بندوں کی نشانی ہے۔ اس
سے مستبد، ظالم اور غاصب قوتیں بے لگام
چھوڑ دی جاتی ہیں کہ وہ جو جی میں آئے کریں۔

مذہب خاک مکے آغوش میں تسبیح و مناجات
کا نام عبادت رکھ کر انسانوں کو خود فریبی
میں مبتلا رکھتا ہے۔
مذہب ہر خوشی میں غم کا پہلو دیکھتا ہے
اور انسان میں ایسی مایوسانہ ذہنیت پیدا کر
دیتا ہے جس میں اس کی کیفیت یہ ہو جاتی ہے
کہ:۔

آئے مجھے ہنسی بھی تو میں رو دیا کروں
دل کو جرات اور ہیا کی کامیابی کا
دین اُسے ایک خدا کے قوانین کا اطاعت گزار
بن کر دنیا کے ہر آستانے سے سرفرازانہ متاثر
گزر جانے کی تلقین کرتا ہے۔
دین زندگی کے حقائق کا مردانہ وار مقابلہ کرتا ہے۔
دین کی پکار یہ ہے کہ:۔
بدربا غلط و با وجہ در آدین
حیات جاوداں اندر مستتر است
دین مادہ کی تسخیر سے، انسان کو وعدہ و فراموش
بندوں تک لے جاتا ہے۔
دین اور دین، اس دنیا کو سنوارنے سے یہاں بھی
ماہل کرتا ہے اور دین بھی۔
دین، اسے تقدیر شکن قوت عطا کر کے، حرکت و
عمل کا شعاع و چراغ بنا دیتا ہے۔۔۔
دین ظلم و استبداد، سلب و نہیب کے فلاح
اعلان بغاوت ہے۔ وہ کمزور انسانوں سے
کہتا ہے کہ وہ قوانین خداوندی کے اتباع سے
ایسا نظام قائم کریں جس میں ہر ظالم اور مستبد
حق اور انصاف کے سامنے جھکنے پر مجبور
ہو جائے۔

دین، اسے وسعت افلاک میں تکبیر مسلسل کا پیغام
دیتا اور نظام خداوندی کو دنیا کے ہر نظام باطل
پر غالب کرنے کو عبادت کی غایت بتاتا ہے۔
دین ہر غم کو خوشی کا پیش خیمہ سمجھتا ہے اور
انسان کی نگاہ میں ایسی تبدیلی پیدا کرتا ہے کہ
وہ نامساعد حالات کی انتہائی ناہیکیوں میں بھی
روشنی کی کرن دیکھتا ہے اور بے ساختہ پکار
اٹھتا ہے کہ:۔
شب گریزاں ہوگی آخر جلوہ خورشید سے

مذہب، کائنات کی ہر چیز پر منہ بسورنا اور
تبدیلیاں پڑھانا سکھاتا ہے۔

21

دین اعلان کرتا ہے کہ: مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ
الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ (پہن) وہ کون
ہے جو مذہب و زینت کی ان چیزوں کو حرام قرار
دے سکتا ہے جنہیں اللہ نے اپنے بندوں کے لئے
پیدا کیا ہے۔

دین، زندگی کے قہقہے۔

دین، زندہ حقیقت۔

دین کہتا ہے کہ: فَمَنْ يَدْمُ هُوَ فِي شَايٍ -

زندگی کے تقاضے ہر دور میں بدلتے رہتے ہیں۔

اس لئے ہدایت طراری عین تقاضائے حیات ہے۔

دین قبرستانوں میں صویرا سرافیل بھونک کر مردوں
کو حیات تازہ عطا کر دیتا ہے۔

مذہب، موت کی سسکیاں ہیں۔

مذہب ایک خواب پریشاں ہے۔

مذہب ہر جدت (نئی چیز) کو گستاہ قرار دیتا

ہے۔

مذہب انسانی بستیوں کو قبرستانوں میں تبدیل
کر دیتا ہے۔

مذہب انسانیت کی موت ہے۔

دین دم جبرئیل - دین دل مصطفیٰ

دین نقیبہ حرم - دین امیر جنود

دین کے مضارب سے نغمہ تار حیات

یہ ہوتا ہے دین جو مذہب میں تبدیل ہو کر انسانیت کا گلا گھونٹ دیتا ہے۔

چونکہ جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے اس لئے وہ ہمیشہ اپنے آپ کو سچ کے نقاب میں پیش کرتا ہے۔
مذہب بھی یہی کرتا ہے۔ وہ دین کے الفاظ، اصطلاحات، رسوم و مناسک اسی شکل میں قائم رکھتا ہے
لیکن ان کی روح نکال دیتا ہے۔ یہی دین کے وہ بے روح خرد خال ہیں جن سے مذہب عوام کو دھوکا دیتا
ہے۔ مذہب، درحقیقت دین کی مٹی شدہ فلاش کا نام ہے۔

(۲)

دین کے ساتھ جو کچھ اقوام سابقہ کے ناموں پر تھا وہی کچھ اسلام کے ساتھ بھی ہوا۔ اللہ تعالیٰ

نے اس دین کو قرآن کریم میں مکمل کیا۔ اور حضورؐ نے اس قرآن

کو اُمت کو دے دیا۔ لیکن حضورؐ کی تشریف برداری کے مقصود

معرضہ بعد، مقام پرست قوتوں نے امیرنا شروع کر دیا۔ اس دفعہ پہلے ملوکیت آئی۔ اس کے ساتھ سرداری

اور ان دونوں نے اپنے تحفظ کے لئے دین کو مذہب میں بدلنا شروع کر دیا۔ چنانچہ یہ دین بھی آہستہ آہستہ

مذہب بن گیا۔

اصل اشعار میں "دین" کے بجائے "عشق" کا لفظ ہے۔

اسی طرح مذہب میں تبدیل ہو گیا جس طرح سابقہ انبیائے کرام ؑ کا لایا ہوا دین تبدیل ہوا تھا۔ اس فرق کے ساتھ کہ اس دین کا ضابطہ — قرآن کریم — اپنی اصل شکل میں محفوظ رہا۔ کیونکہ اس کی حفاظت کا وہ خود خدا نے لیا تھا۔ لیکن اس کتاب کا محفوظ رہنا، مذہب کی نگاہ میں کانٹے کی طرح کھٹکتا رہا۔ چنانچہ اس نے اسے قوم کی زندگی سے علیحدہ کر دیا۔ رسول اللہ کے بعد کسی نبی نے نہیں آنا تھا جو دین کو اس کی اصل شکل میں پھر سے دنیا کے سامنے پیش کرتا۔ کسی آنے والے کی ضرورت بھی نہیں تھی کیونکہ دین، قرآن کریم کے اندر منضبط تھا اور قرآن حرفاً حرفاً محفوظ۔ اس لئے اب دین کو اس کی اصل شکل میں پیش کرنے کی صورت بھی تھی کہ قرآن کریم کو عملی زندگی کا ضابطہ بنانے کی کوشش کی جائے۔ یہی وہ کوشش تھی جو ہمارے زمانے میں تحریک پاکستان کی شکل میں سامنے

تحریک پاکستان

آئی۔ جیسا کہ معلوم ہے، پاکستان کا تصور علامہ اقبالؒ کی بصیرت قرآنی کا برہین منت ہے۔ انہوں نے اس مطالبہ کی بنیاد ہی اس حقیقت پر رکھی تھی کہ قرآن کریم مسلمانوں کی عملی زندگی کا ضابطہ اسی صورت میں بن سکتا ہے جب ان کی اپنی آزاد مملکت ہو جس میں قرآنی اصول و احکام نافذ کئے جاسکیں۔ غیر دین کی حکومت میں مذہب تو باقی رہ سکتا ہے، دین نہیں رہ سکتا۔ آپ احباب کو معلوم ہے کہ تحریک پاکستان کی سب سے زیادہ مخالفت ہمارے علماء و حضرات کی طرف سے ہوئی تھی۔ یہ درحقیقت دین الہی مذہب کی وہی کش مکش تھی جو ازل سے تا امروز، باہم درگزر مستیزہ کار چل رہی ہے۔ اس نکتہ کو ابھی طرح سمجھ لینے کی ضرورت ہے۔

تحریک پاکستان کی مخالفت

مذہب کی اولیں کوشش یہ ہوتی ہے کہ مملکت کا پورا اقتدار بالواسطہ مذہبی پیشوائیت کے ہاتھ میں رہے اور حکمران طبقہ ان کے فیصلوں کو نافذ کرنے کی مشینری کا کام دے۔ اس انداز کو تھیا کر دیسی کہتے ہیں۔ لیکن اگر ایسا ممکن نہ ہو تو مذہبی پیشوائیت یہ چاہتی ہے کہ مملکت میں ایسا نظام قائم ہو جس میں امور سیاست، حکومت کی تفویض میں رہیں اور مذہب، مذہبی پیشوائیت کی تحویل میں۔ اسے سیکولر انداز حکومت کہا جاتا ہے۔ ہمارے قرنِ اول کے بعد جب دین، مذہب میں تبدیل ہو گیا تو اس میں ایسے ادارے بھی آئے رہے جن میں تھیا کر دیسی کا دور دورہ تھا لیکن یہ بدیہت مجموعی حکومتوں کا انداز سیکولر رہا۔ اسی انداز کو انگریزوں نے ہندوستان میں قائم رکھا۔ ان کے مذہب حکومت میں بھی پبلک لائف حکومت کی تحویل میں تھے، اور پرنسپل لازار باب مذہب کے سپرد۔ تحریک پاکستان سے مقصود یہ تھا کہ اس مملکت میں نہ تھیا کر دیسی باز پاسکے نہ سیکولرزم۔ اس میں دین کی حکمرانی ہو۔ ظاہر ہے کہ اس میں (ملوکیت اور سرمایہ داری کی طرح) مذہبی پیشوائیت کی بھی کوئی گنجائش نہیں رہتی تھی۔ دوسری طرف ہندو نے یقین دلایا کہ انگریز کے چلے جانے کے بعد مملکت کا نظام برستور سیکولر رہے گا۔ چونکہ یہ انداز، مذہبی پیشوائیت کو (SULTAN) کرتا تھا۔ اس لئے انہوں نے ہندوؤں سے مفاہمت کر لی۔ مذہب اپنے مفاد کے تحفظ کے لئے ہر ایک سے مفاہمت کر سکتا ہے۔ لیکن دین لاشرک ہوتا ہے۔ اس لئے وہ کسی سے مفاہمت نہیں کر سکتا۔

عقل عیار ہے سو بھیس بنالیتی ہے عشق بیچارہ نہ صوفی ہے نہ کلمہ نہ حکیم
اس لئے تحریک پاکستان جو دین کی بنیادوں پر اٹھی تھی، نہ ہندو سے مفاہمت کر سکتی تھی نہ مذہبی پیشوائیت سے۔
چنانچہ جب اس تحریک نے مذہبی پیشوائیت سے مفاہمت نہ کی تو اس نے اس کی مخالفت میں ایڑی چوٹی
کا زور لگایا۔ انہیں میٹلسٹ یا (قوم پرست) علماء کا طبقہ کہا جاتا ہے۔ ان کے علاوہ وہاں ایک گروہ ایسا
ہی تھا جو مذہب کے نام پر مملکت کا پورا اقتدار اپنے ہاتھ میں رکھنا چاہتا تھا۔ یعنی یہ طبقہ تقیہ کر لے کر قائم
کرنے کا متمنی تھا۔ چونکہ دین کی فطرتوں میں تقیہ کر لے ہی باطل ہے جیسی سیکولرزم، اس لئے
تحریک پاکستان اس طبقہ سے بھی مفاہمت نہیں کر سکتی تھی۔ لہذا یہ طبقہ بھی تحریک پاکستان کا
مخالف تھا۔

آپ نے غور فرمایا کہ تحریک پاکستان کی کشمکش، کس طرح درحقیقت دین اور مذہب کی وہی کشمکش
تھی جو ازل سے تا امروز ستیزہ کار چلی آرہی ہے۔ اور وہی کشمکش یہاں بھی جاری ہے۔
چونکہ مذہب، ہر نظریہ، ہر تصور، ہر نظام اور ہر ادارہ کے ساتھ مفاہمت کر سکتا ہے اور سرمایہ دار
طبقہ اس کا پشت پناہ ہوتا ہے، اس لئے ان لوگوں کے پاس نہ روپے پیسے کی کمی ہوتی ہے نہ اسباب و
زرائع کی محتاجی۔ روپے کے زور پر یہ لوگ پراپیگنڈہ کی مشینری پر قابو پا لیتے ہیں اور جھوٹ کو
سچ کر کے دکھاتے چلے جاتے ہیں۔ دین، ان قوتوں میں سے
سایمان و ذرائع کی فراوانی کسی کے ساتھ مفاہمت نہیں کر سکتا۔ اس لئے جو لوگ اس کی
ت کو لے کر اٹھتے ہیں ان کے پاس ان میں سے کوئی چیز بھی نہیں ہوتی۔

فقر جنگاہ میں بے ساندہ پیراق آتا ہے

در مختلف حربے | پھر مذہب اپنے مقاصد کے حصول کے لئے ہر حربے کا استعمال جائز سمجھتا
ہے۔ وہ جھوٹ بولنے میں بھی کوئی باک نہیں محسوس کرتا۔ سینٹ پال

کے الفاظ میں بڑے فخر سے کہتا ہے کہ

اگر میرے جھوٹ کے سبب، خدا کی سچائی اس کے جلال کے واسطے زیادہ ظاہر ہوئی

تو پھر مجھ پر گنہگار کی طرح کیوں حکم دیا جاتا ہے۔ (رومیوں کے نام - ۱۳)

وہ تعلیم یہ دیتا ہے کہ دنیا کو اپنے ساتھ لے لے کے لئے بڑے مقدس اور ڈریں اصول پیش کر دو۔ لیکن
جب اس طرح قوت حاصل ہو جائے تو پھر ان تمام اصولوں کو بالائے طاق رکھ کر عملاً وہی کچھ کر دو جس
میں اپنا مقاد مجھو۔

مذہب ہمیشہ سے یہی کچھ کرتا چلا آیا ہے۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ اپنی فریب کاریوں سے

دین کو شکست دے سکتا ہے۔ دین، خدا کے اہل قوانین کا نام ہے۔ اور ان قوانین

کا آخر الامر غالب آنا خدا کی پروگرام ہے۔ خدا کے پروگرام کو دنیا کی کوئی طاقت

شکست نہیں دے سکتی۔ لیکن حتیٰ آہستہ آہستہ باطل کے نظام پر غالب آتا ہے۔ آہستہ آہستہ اس لئے کہ خدا کا

دین کا غلبہ

ایک ایک دن ہزار ہزار سال، بلکہ پچاس پچاس ہزار سال کا ہوتا ہے۔ جن اربابِ نظر کی نگاہیں ان انقلابات پر ہیں جو اس وقت دنیا کے مختلف گوشوں میں رونما ہو رہے ہیں۔ (اور جنہیں علامہ اقبالؒ نے "قیامتِ موجود سے تعبیر کیا ہے) انہیں نظر آ رہا ہے کہ اب مشیت کے پروگرام کے مطابق باطل کے نظامہائے زندگی کے مٹنے کا وقت بڑی تیزی سے آ رہا ہے۔ دنیا سے لوہیت کا دور دورہ ختم ہو رہا ہے۔ ہر نئے سورج کے ساتھ کوئی نہ کوئی تاجِ فضا میں اڑنا دکھائی دیتا ہے۔ نظامِ سرمایہ داری، جاگیر داری، زمین داری، حرفِ غلط کی طرح مٹ رہا ہے۔ اور ان کے ساتھ ہی مذہب کی سحر کاریاں بھی انحراف کی طرح ہوا میں اڑتی چلی جا رہی ہیں۔ آپ مٹھوڑا سا غور کریں گے تو یہ حقیقت سامنے آ جائے گی کہ انسانی قلوب و اذہن پر مذہب کی جو گرفت آج سے پچاس سال پہلے تھی، وہ بڑی حد تک ڈھیل پڑ چکی ہے۔ ہندوستان سے سناتن دھرم بڑی تیزی سے ختم ہو رہا ہے۔ ہندومت کا مانوس و مکن چین تھا۔ اسے وہاں سے دیس نکال لیا چکا ہے۔ تبت ان کے خداؤں (لاماؤں) کا پایہ تخت تھا۔ وہ وہاں سے بیگ بنی دو گوش نکالے جا چکے ہیں اور اب اپنی جان کی حفاظت کے لئے در بدر مارے مارے پھر رہے ہیں۔ یہودیت مذہب کو چھوڑ کر، سیاست میں بدل چکی ہے۔ عیسائیت کی قدیم عمارت کا دسویں ستون، پوپ ہے۔ اس ستون کی بنیادوں میں بھی لرزش پیدا ہو رہی ہے۔ غرضیکہ مذہب کی دنیا میں آپ جہاں بھی دیکھیں گے آپ کو نظر آ جائے گا کہ اسے

مے خانہ کی بنیاد میں آیا ہے تزلزل بیٹھے ہیں اسی فکر میں پیرانِ خرابات علامہ اقبالؒ نے عرصہ ہوا، لیگ آف نیشنز (انجمنی) کے متعلق کہا تھا کہ:

سبے چارہ کی کٹی روز سے دم توڑ رہی ہے ڈر ہے خبر یہ نہ میرے مزے نکل جائے
تقدیر تو مبرم نظر آتی ہے ولیکن پیرانِ کلیسا کی دعا یہ ہے کہ ٹل جائے
مکن ہے کہ یہ داستانہ پیر کا فرنگ ابلیس کے تعویذ سے کچھ روز سنبھل جائے

جو کچھ انہوں نے لیگ آف نیشنز کے متعلق کہا تھا، وہی کچھ اب انسانوں کے خود ساختہ مذہب کے متعلق نظر آتا ہے۔ اس وقت اربابِ مذہب کے ہاں جذبات کی جو شدت نظر آتی ہے وہ ان کی حرکتِ مذہبی ہے۔ اس سے یہ کچھ وقت کے لئے فضا میں انتشار اور معاشرہ میں خلغشاہ تو پیدا کر سکتے ہیں، اپنی مسندوں کو گرنے سے بچا نہیں سکتے۔ زمانے کے تقاضے انہیں ختم کر کے رہیں گے۔

اس مقام پر ایک اہم نکتہ کا سمجھ لینا ضروری ہے۔ جب باطل، زمانے کے تقاضوں کے
لا و الہ | ہتھوں میں ہے تو اس طریق کار میں ایک نقص رہ جاتا ہے۔ اور وہ کہ یہ تقاضے صرف باطل کو ملتا ہے، اس کی جگہ، حق کا نظام ساتھ کے ساتھ قائم نہیں ہوتا۔ ان دونوں کے درمیان ایک خلا رہ جاتا ہے جسے قانونِ خداوندی کی کائناتی رفتار کے مطابق پُر کرنے کے لئے کافی وقت درکار ہوتا ہے۔ علامہ اقبالؒ کے الفاظ میں زمانے کے تقاضے "اللہ کے نشتر" ہوتے ہیں جو فصد کھول کر کثیف خون باہر نکال دیتے ہیں۔ لیکن اس کی جگہ صالح خون ساتھ کے ساتھ پیدا نہیں کرتے۔ یہ کام ان لوگوں کے

کرنے کا ہوتا ہے جو دین کا نظام قائم کرنے کا ولولہ اپنے دل میں رکھتے ہیں۔ وہ وقت، جب زمانے کے تقاضے باطل کے کسی نظام کو مٹا رہے ہوں، ان لوگوں کے لئے بڑا سازگار بھی ہوتا ہے، لیکن اس کے ساتھ ہی بڑا مصوبت انگیز اور صبر آزما بھی۔ سازگار تو اس لئے کہ ان کا آدھا کام — یعنی لا الہ الا اللہ کا مرحلہ — زمانے کے تقاضے یا اللہ کے نشتر پورا کر دیتے ہیں۔ انہیں اس ہموار شدہ زمین پر اللہ کی عمارت استوار کرنی ہوتی ہے۔ مگر پیراز صعوبات اور صبر آزما اس لئے کہ جس طرح ایک "بھوت" نکلنے وقت بڑی دہشت انگیز لٹانی پیچھے چھوڑتا ہے، باطل کی قوتیں نزع کی حالت میں بڑی سخت لگد کوئی کرتی ہیں۔

فطرت کا یہ طریق کار (PROCESS) بڑا دلچسپ بھی ہے اور عبرت آموز بھی۔ وہ مذہب پرست طبقہ کو اس خود فریبی میں مبتلا کر دیتی ہے کہ اگر قوت ان کے ہاتھ میں آجائے تو ان کی جڑیں مضبوط ہو جائیں گی۔ چنانچہ یہ لوگ حصول اقتدار کے لئے بڑی تنگ و تنار کرتے ہیں اور اکثر اوقات اسے حاصل بھی کر لیتے ہیں۔ لیکن یہی چیز ان کی موت کے فرشتے کی رفتار کو تیز کر دیتی ہے۔ یہ نکتہ غور سے سمجھنے کے قابل ہے۔

اقوام عالم کی تاریخ اس حقیقت پر شاہد ہے کہ جب کبھی اقتدار ان لوگوں کے ہاتھ میں آیا تو ان سے اس قسم کے اذیت ناک اور کرب انگیز مظالم ظہور میں آئے جن کی مثال کسی ہلاک اور جنگیر کے ہاں بھی نہیں ملتی۔ (رواضح رہے کہ شاذ و نادر ہی ایسا ہوا ہے کہ تمام حکومت براہ راست ان کے ہاتھ میں آئی ہو۔ بالعموم ان کے اقتدار کی شکل یہی ہوتی ہے کہ کوئی حکمران ان کا ہم عقیدہ ہو اور اس طرح بالواسطہ اقتدار ان کے ہاتھ میں آجائے) سیاسی حکمران طبقہ اپنے مخالفین کا، جن سے اسے کسی خطرہ کا اندیشہ ہو، استیصال چاہتا یا کرتا ہے، لیکن مذہبی پیشواؤں کا اپنے مخالفین کے خلاف انتقام جوئی کا جذبہ کارفرما ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ یہ، اپنے ہم عقیدہ لوگوں کے سوا، سب کو خدا کے باغی، ملحد، بے دین، فاسق، ناجر سمجھتے ہیں۔ اور اپنے متعلق اس زعم باطل میں مبتلا ہوتے ہیں کہ ہم خدا کے منتخب بندے ہیں، جنہیں اس نے ان گمراہ لوگوں کو سیدھا کرنے کے لئے مامور کر رکھا ہے۔ اس بنا پر ان فاسقوں اور فاجروں کے خلاف ان کے دل میں بغض اور نفرت کے شعلے بھڑکتے رہتے ہیں۔ نفیات کا یہ مسئلہ اصول ہے کہ بغض اور نفرت سے انسان (SADISM) کا شکار ہو جاتا ہے۔ (SADISM) کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ اس کا مریض دوسروں کو اذیت پہنچا کر خوش ہوتا اور لذت لیتا ہے۔ جب اقتدار ان کے ہاتھ میں نہیں ہوتا تو یہ ان لوگوں کو، جو ان کے ہم عقیدہ نہیں ہوتے، عذابِ خداوندی کی وعید سناتے رہتے ہیں۔ آپ نے اکثر دیکھا ہوگا کہ یہ حضرات اپنے وعظوں اور خطبوں میں اس عذاب کی تفصیل بڑی لذت لے لے کر بیان کرتے ہیں۔ اس سے ان کے (SADISM) کے جذبہ کی ذہنی تسکین ہو جاتی ہے۔

اس کے علاوہ، ان کی انتقام جوئی کے سلسلے میں ایک اور جذبہ بھی کارفرما ہوتا ہے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ کسی

بڑے سے بڑے مستبد اور ظالم صاحب اقتدار کے ضمیر میں کبھی خلش پیدا ہو اور وہ اپنے کئے پر نادم ہو جائے۔ لیکن ان حضرات کا عقیدہ یہ ہوتا ہے کہ ہم اپنے مخالفین کے خلاف جو کچھ کرتے ہیں وہ جہاد ہے اور بارگاہِ خداوندی میں تعرب کا موجب۔ اس لئے یہ اپنے مخالفین پر جس قدر بھی مظالم کرتے ہیں خوش ہوتے ہیں کہ اس سے انہیں ثوابِ عظیم حاصل ہوتا ہے۔

آپ ان حضرات کی اس نفسیات پر غور کیجئے اور پھر سوچئے کہ جب — خداوندِ کریم — اقتدار ان کے ہاتھ میں آجائے تو انسانیت کس عذاب میں مبتلا ہو جائے گی۔ اقوامِ عالم کی تاریخ ان کی خونریزیوں، سفاکیوں، کرب انگیزیوں اور اذیت رسانیوں کی نرزدہ انگیز داستانوں سے خونچکان ہے۔ ان کی تفصیل میں جاننے کے لئے مہلکات درکار ہوں گی۔ یہاں چند ایک مثالوں پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

ہم دیکھ چکے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ کس طرح ہیکل کے مذہبی پیشواؤں کی غضونت آمیز سیاہ کاریوں کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتے تھے۔ بالواسطہ اقتدار ان کے ہاتھ میں تھا۔ انہوں نے ان پر ہاتھ ڈالا اور (برعکس خویش) اس قسم کی موت مارا جو انتہائی اذیت رساں بھی تھی اور ان کے عقیدہ کی رُو سے لعنتی بھی۔ اذیت رسانی کا اندازہ اس سے لگائیے کہ انہوں نے ان کے ہاتھ پاؤں میں میخیں ٹھوک کر صلیب پر لٹکا دیا کہ وہ کرب و اذیت، بھوک، پیاس اور دھوپ کے عذاب سے سسکتا ہو سکے۔

گر جان دیں۔ اس سے ان کی ہوس انتقام جوئی کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

یہودیوں سے آگے بڑھ کر عیسائیوں کی طرف آئیے اور ان کے (REFORMATION) کے زمانے کی تاریخ پر ایک نگاہ ڈالیے۔ اس میں آپ کو ظلم اور استبداد کی ایسی ایسی نرزدہ انگیز داستانیں ملیں گی، جن سے آپ کی روح کپکپا اٹھے۔ صرف ایک شہر پیرس میں چھ مہینے کے عرصے میں ایک عیسائی شاہ کے بیان کی رو سے ستائیس انسانوں کو زندہ آگ میں جلا دیا گیا۔ تین مہینے کے عرصے میں دس ہزار انسانوں کو جلا دیا گیا یا تڑپا کر مارا گیا۔ ۱۵۸۱ء سے دو ایک سال پہلے کے عرصے میں جن لوگوں کو مختلف اذیتیں دے کر ہلاک کیا گیا یا زندہ جلا دیا گیا ان کی تعداد دو لاکھ سے کم نہیں۔ اذیتیں کس قسم کی ہوتی تھیں اس کا اندازہ اس ایک واقعے سے لگائیے کہ مہتری نامی ایک ممتاز پادری کو جس کے خلاف کفر کا فتویٰ لگا تھا۔ اس کے بستر سے اٹھایا گیا۔ پشت کی جانب اس کے ہاتھ باندھے گئے۔ اس کے سارے کپڑے اتار دیئے گئے اور اس کے پاؤں میں رسی باندھ کر اسے برف آلودہ سڑکوں پر گھسیٹتے ہوئے مقتل کی طرف لے گئے۔ وہ لوہاں بوزہ تھا اور چیختا تھا کہ مجھے مارنا ہی ہے تو کم از کم مجھے مقتل تک اٹھا کر لے جاؤ۔ لیکن اس کی کوئی نہیں سنا تھا۔ اسے زندہ جلا دیا مقصود تھا لیکن نکڑیاں گیلی تھیں اس لئے ان میں آگ نہیں لگ رہی تھی۔ دو گھنٹے کے انتظار کے بعد اسے جھلستی ہوئی نکڑیوں میں پھینک دیا گیا کہ وہ سسک سسک کر کباب ہو جائے بالا خراس سے لاٹھیوں سے پیٹ پیٹ کر ہلاک کیا گیا اور ان خداؤں

فرجداروں نے نعرہ بلند کیا کہ "خدا کے مسیح کا بول بالا ہو۔" ط

خود ہماری تاریخ بھی کچھ کم خود چمکاں اور لرزہ انگیز نہیں۔ عیسائیوں کے زمانے میں ایک مسئلہ خلقِ قرآن کو لیجئے اور پھر دیکھئے کہ اس عقیدہ کے موافق اور مخالف گروہوں نے اپنی اپنی باری فصاحت کو کس کس قسم کے کرب انگیز مظالم کا نشانہ بنایا۔ جعد بن درہم کو خالد بن عبداللہ نے عید الاضحیٰ کے دن قربانی کے طور پر اپنے ہاتھ سے ذبح کیا اور اس کے بعد اسی خاندان کو اس کے مخالف، یوسف، نے شکست دی کس کس کو اس کے سینے کو ریتی سے ریت ڈالا۔ خلیفہ داؤد نے احمد بن نصر کو سامرہ میں سولی پر چڑھا دیا اور اس کے سر کو بغداد بھیج دیا۔ کان میں ایک دفعہ لٹکا دیا جس پر لکھا تھا۔

یہ احمد بن نصر مشرک اور گمراہ کا سر ہے جس کو امیر المؤمنین نے بغرضِ تقرب الہی خود اپنے ہاتھ سے قتل کیا ہے۔

امام احمد بن حنبلؒ جیسی واجب الاصرام ہستی کو اٹھارہ ماہ تک ایک تنگ و تاریک قید خانہ میں سختیاں جھیلنے کے لئے محبوس رکھا۔ دہائی انہیں اس قدر شدت سے چٹا جاتا تھا کہ ان کے جسم کے گوشت کے ٹکڑے اڑاڑ جاتے تھے۔ یہ سب کس جرم کی پاداش ہیں تھا؟ اس جرم کی پاداش میں کہ وہ ان علما سے رجحان کا ہم خیال خلیفہ تھا، ایک عقیدہ میں اختلاف رکھتے تھے۔ اور وہ عقیدہ بھی محض نظری اور فرعی تھا۔

ان شخصی اذیت رسائیوں کے علاوہ ان مذہبی پیشواؤں کی کیفیت یہ تھی کہ انہیں جن علما سے بھی اختلاف ہوتا ان کی تصنیفات کے ایک ایک ورق کو تلاش کر کے تلف کر دیا جاتا۔ مثلاً ابو مسلم اصفہانی نے تیرہ جلدوں میں قرآن مجید کی تفسیر لکھی۔ ابوالقاسم بنی نے بارہ جلدوں میں تفسیر مرتب کی۔ اسی طرح ابوبکر اہم اور قتال نے بھی بڑی بڑی ضخیم تفسیریں لکھیں۔ یہ لوگ بڑے ذکی علم اور ذہین تھے۔ ان کی تفسیریں قرآنی علوم میں نہایت قیمتی اضافہ تھیں۔ مگر آج یہ سب ناپید ہیں۔ ان کے صرف بعض اقوال امام داؤد وغیرہ کی تفسیر میں بکھرے ہوئے ملتے ہیں۔ خود امام داؤد کو بھی داروغہ کا سامنا کرنا پڑا اور انہوں نے روپوش ہو کر اپنی جان بچائی۔ امام ابی حزم کو بھی جلا وطن ہونا پڑا اور وہ اسی حالت میں صحرائے یلمہ میں وفات پا گئے۔ علامہ آمدی کو بھی علما سے بعض اختلافات کی وجہ سے اپنا وطن چھوڑنا پڑا۔ ابن رشد کو فلسفہ کے جرم میں پہلے نظر بند کیا گیا۔ پھر جلا وطن اور ان کی کتابیں جلا دی گئیں۔ محدث ابی حبان کو اتنی سی بات پر جلا وطن کر دیا گیا کہ انہوں نے کہا تھا کہ "خدا محدود نہیں ہے ہر جگہ موجود ہے۔"

میں نے یہ چند واقعات محض مثال کے طور پر بیان کئے ہیں، ورنہ دیگر مذاہب عالم کی طرح، ہماری تاریخ بھی اسی قسم کے واقعات سے لالہ زار ہے۔ جس سے کسی مسئلہ میں ذرا سا اختلاف ہوا، اس کے خلاف کفر کا فتویٰ لگایا۔ اس سے وہ مرتد قرار پا گیا۔ یہ مسئلہ پہلے سے وضع کر دیا کہ مرتد کی سزا قتل ہے۔ اور اس فیصلہ کی رو سے "حکم شریعت" اسے محالہ داروغہ کی گردیا۔ جب حالات نے پلٹا دکھایا اور کوئی ایسا

حکمران برسرِ اقتدار آگیا جو ان لوگوں کا ہم عقیدہ تھا جن کے خلاف کفر کے فتوے لگے تھے تو پھر ان کی باری آگئی جنہوں نے ایسے فتوے لگائے تھے۔ پھر یہ مرتد قرار پا گئے اور ہلاک کر دیئے گئے۔ اس ہزار سال کے عرصہ میں کوئی شخص بھی ایسا نہیں جس کے خلاف بالواسطہ یا بلا واسطہ کفر کا فتویٰ نہ لگ چکا ہو۔ اسے اس طرح سمجھ لیجئے کہ ہمارے زمانے میں موجودہ فرقوں میں سے کوئی فرقہ ایسا نہیں جس کے خلاف کفر کا فتویٰ نہ لگ چکا ہو۔ اور چونکہ ہر مسلمان کسی نہ کسی فرقہ سے متعلق ہوتا ہے اس لئے کوئی مسلمان بھی ایسا نہیں جو کافر نہ قرار پا چکا ہو۔ یہ تو غنیمت ہے کہ یہ فتوے اس زمانے میں لگے جب اقتدار مذہبی پیشوائیت کے ہاتھ میں نہ تھا۔ ورنہ اگر ان حضرات کے فتووں پر عمل درآمد کرنے والا حکمران طبقہ ہوتا تو ہندوستان میں کوئی ایک مسلمان بھی زندہ نہ رہتا۔ یہ تو رہے وہ مسلمان جو کسی نہ کسی فرقہ سے وابستہ ہیں۔ انہوں نے علامہ اقبالؒ اور قائد اعظمؒ کو بھی نہ چھوڑا۔ ان کے خلاف بھی کفر کے فتوے صادر کر دیئے گئے۔ لیکن وہ بھی اس لئے زندہ بچ رہے کہ مرتد کی سزا قتل پر عمل درآمد کرنے والی حکومت موجود نہ تھی۔ نہ ہی اقتدار سیراہ راست ان حضرات کے ہاتھ میں تھا۔ جب اقتدار مذہبی پیشوائیت کے ہاتھ میں آتا ہے تو اس میں انسانیت پر کیا قیامت گذرتی ہے اس کی تازہ مثال انقلاب ایران ہے۔ اس انقلاب میں زمام اقتدار دہل کی مذہبی پیشوائیت کی سب سے بلند شخصیت امام الخميني کے ہاتھ میں ہے۔ ان کے زیرِ ہدایت ایک خفیہ اسلامی عدالت قائم ہے جس کے ناموں تک کسی کو علم نہیں۔ اس عدالت میں ان کے مخالفین کے خلاف مقدمات پیش ہوتے ہیں، چند گھنٹوں میں ان کی سماعت ہو جاتی ہے۔ سزائے موت کا فیصلہ صادر کر دیا جاتا ہے اور ان مخالفین کو گولی سے آزاد یا جاتا ہے۔ آج ۹ مئی ۱۹۷۹ء تک اس طرح سزائے موت پانے والوں کی تعداد ۲۳۸ تک پہنچ گئی ہے۔ ان میں سابقہ حکومت کے وزیرِ اعظم، وزیرائے مملکت، جیسے بڑے جرنیل، فوجی افسر، قومی اسمبلی کے سپیکر، پولیس کے آفیسرز وغیرہ شامل ہیں۔ اخبارات میں شائع ہونے والی خبروں کے مطابق:-

ان اکیس افراد پر (جنہیں ۸ مئی کو گولی سے اڑا دیا گیا) ایک الزام یہ بھی تھا کہ انہوں نے ایران کے مذہبی راہنما آقاؑ سے آیت اللہ الخميني کے بارے میں توہین آمیز الفاظ استعمال کئے۔ یہ الفاظ اس وقت استعمال کئے گئے تھے جب آقاؑ نے خمینی پیرس میں جلا وطنی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ (سزائے موت ۹ مئی ۱۹۷۹ء)

امام الخميني اسے اسلامی انقلاب سے تعبیر کرتے ہیں جس کے تحفظ کے لئے انہوں نے فوج اور پولیس کے علاوہ خصوصی فوجی دستوں کی تشکیل کی ہے۔ انہوں نے کہا کہ وہ "اس انقلاب کو دوسرے ممالک میں بھی برآمد کریں گے" (ایضاً)

(۱)

ان حقائق کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جائے گی کہ علامہ اقبالؒ اور قائد اعظمؒ اس بات پر کیوں زور دیتے تھے کہ پاکستان میں تقیہ کر بیسی قائم نہیں ہوتے دی جائے گی۔ یعنی وہ ایسی اسلامی حکومت نہیں ہوگی جس میں

بالواسطہ یا بلاواسطہ اقتدار مذہبی پیشوا شیت کے ماتھے میں ہو۔ تشکیل پاکستان کے بعد میں نے اپنا فریضہ سمجھا کہ علامہ اقبالؒ اور قائد اعظمؒ کی اس آواز کو (جو درحقیقت قرآن کی آواز ہے) عام کیا جائے کہ یہاں ہتھیار کر لیں۔ قائم نہیں ہوگی اور میری میرا وہ ہم ہے جس کی وجہ سے میری اس قدر مخالفت ہو رہی ہے۔ میرا تعلق نہ کسی مذہبی فرقہ سے ہے نہ سیاسی پارٹی سے، نہ میں علی سیاست میں حصہ لیتا ہوں۔ میں قرآن کریم کی طرف سے عائد کردہ اپنا فریضہ سمجھتا ہوں کہ قوم پر اس حقیقت کو واضح کر دوں کہ اس خطرہ زمین کو اس لئے چل گیا تھا کہ اس میں اسلامی حکومت قائم ہو تھی اگر کسی قائم نہ ہو، کیونکہ ہتھیار کر لیں اور اسلامی نظام ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ میں اور میرے رفقاء اس حقیقت کو نہایت پر امن طریق سے عام کرتے چلے آ رہے ہیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ اس دور میں کسی فکر کی نشر و اشاعت کے لئے جس قدر سامان و ذرائع کی ضرورت ہے ہمارے پاس ان کی بے حد کمی ہے۔ لیکن وہ جو قرآنی کریم نے کہا ہے کہ تم دین کی آواز بلند کرنے کے لئے اٹھو تو خدا کی کائناتی قوتیں تمہارا ساتھ دیں گی، کچھ اسی کا اثر معلوم ہوتا ہے کہ سامان و ذرائع کی اس قدر کمی کے باوجود قرآن کی آواز جس تیزی سے پھیلتی جا رہی ہے وہ ہمارے دسم دکان میں بھی نہیں تھا۔ آپ ذرا دس بیس برس اٹھ کر کا نقشہ سامنے لائیے اور پھر آج کی فضا پر غور کیجئے۔ آپ کو نظر آجائے گا کہ یہ آواز کس طرح خاموشی ہی خاموشی سے ہر گوشے کو متاثر کئے جا رہی ہے، اور یہ حقیقت کس طرح ایک واقعہ بن کر سامنے آ رہی ہے کہ وہ

حسن کے راز نہاں شرح و بیان تک پہنچے
آنکھ سے دل میں گئے، دل سے زبان تک پہنچے
دل نے آنکھوں سے کہی، آنکھ نے دل سے کہی
بات چل نکلی ہے، اب دیکھیں کہاں تک پہنچے

یہ بات چل نکلتی کا نتیجہ ہی تو ہے کہ جن حضرات کے مواظظ و خطبات و تقاریر میں مجھ سے بے بھی قرآن کا نام نہیں آتا تھا وہ اب قرآن مجید کی آیات اور دین کی اصطلاحات استعمال کرنے پر مجبور ہو رہے ہیں۔ کیونکہ اب فضا انہی کا تقاضا کرتی ہے۔ واضح رہے کہ اس سے میں اس غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہوا کہ یہ حضرات مذہب کو چھوڑ کر دین کی طرف آ رہے ہیں۔ یہ قرآن، دین اور اس کے نظام کے الفاظ محض مصلحتاً استعمال کرتے ہیں۔ وہ نہ اپنے فرقہ دارانہ عقائد کو چھوڑنے کے لئے تیار ہیں اور نہ ہی اپنے اپنے فرقہ کے فقہی قوانین کو قرآنی قوانین سے بدلنے کے لئے آ رہے۔ ان کے نزدیک اسلامی حکومت سے مراد وہی عقیدہ ہے کہ نظام حکومت ہے جسے مٹانے کے لئے اسلام آیا تھا اور جس کے خطرات سے علامہ اقبالؒ اور قائد اعظمؒ نے قوم کو آگاہ کیا تھا۔ مجھے اس بات کی البتہ خوشی ہے کہ قرآن کریم کی یہ آواز پاکستان کی حدود سے آگے بڑھ کر مغربی ممالک تک بھی پہنچ گئی ہے۔ اور چونکہ وہ لوگ ہتھیار کر لیں گے ساتھ کے ڈسے ہوئے ہیں اس لئے اگر وہاں کسی خطہ میں اسلامی نظام کے قیام کا امکان ہو تو وہ ہتھیار کر لیں گے۔ میرے ایک رفیق محترم محمد اسلام صاحب نے طلوع اسلام کنونشن ۱۹۶۶ء میں اپنے ایک خطاب میں جس کا عنوان "ذکر و فکر پرویز" تھا مغربی مصنفین کی ان چند کتابوں کا ذکر کیا تھا جن میں میری قرآنی فہم اور تحریک کا نمایاں طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ چونکہ اس کے بعد ہماری کوئی کنونشن منعقد نہیں ہوئی اس لئے میں مناسب سمجھتا ہوں کہ ان کی پیش کردہ تفصیل کو یہاں دہرایا جائے۔

و غالباً ۱۹۶۶ء کا ذکر ہے۔ (PETER-SCHMID) نامی ایک جرمن اسکالر ہندو پاک کی سیاست

کے لئے آیا اور پرویز صاحب سے بھی آکر ملا۔ بعد میں اس نے اپنے تاثرات اور افکار کو کتابی شکل میں مرتب کیا جس کا انگریزی ترجمہ (INDIA - MIRAGE & REALITY) کے نام سے شائع ہوا۔ جس کا اس زمانے میں بڑا چرچا ہوا۔ اس نے پرویز صاحب سے اپنی ملاقات کا حال بڑے شگفتہ اور ڈرامائی انداز میں بیان کیا ہے۔ جیسا کہ اجاب کو معلوم ہے پرویز صاحب کے مکان میں ایک الگ کمرہ ہے جس میں وہ کام بھی کرتے ہیں اور وہیں ملنے والے آکر ملتے بھی ہیں۔ اسی کمرہ میں ان صاحب سے بھی ملاقات ہوئی جس کے تاثرات انہوں نے ان الفاظ میں بیان کئے :-

میں جب پچھلی مرتبہ پاکستان آیا تو ایک مذہبی شخصیت، پیرانچی شریف (مرحوم) سے ملا تھا۔ اس دفعہ ایک اور مذہبی شخصیت سے ملاقات ہوئی جس کی تعلیم اور وسعتِ ظرفیت اسے بالکل مختلف زمرہ میں شامل کرتی ہے۔ قرآنکد، دیسریج، سپینٹر، جس کے سربراہ - جی - رائے - پرویز ہیں - گلبرگ کے ایک مکان کی سچلی منزل میں واقع ہے۔ اسی گلبرگ میں جو فلم اسٹارز اور دیگر ارضی مخلوق کا مسکن ہے۔ ان کے کمرے میں کھانے پینے کے برتن اور (انکا کتب خانہ اور) مسودات اس امر کی شہادت دیتے تھے کہ وہی کمرہ ان کا دفتر بھی ہے اور خواب گاہ بھی۔ اس مردِ بزرگ کے چہرے کی عین لکیریں اوداس کی تیند کی ترسی ہوئی آنکھیں - سادہ سی دھات کے زریں کا چشمہ اور سفید بال، اس حقیقت کے غماز تھے کہ وہ کسی گہری سوچ میں ڈوبے ہوئے ہے۔ ان سوچوں کی پیدا کردہ علمی اور فکری صلاحیت میں کچھ اورچ پیدا کرتی تھیں تو اس کی خواب آلود آنکھیں - اس کے نزدیک تقویٰ، ترک دنیا کا نام نہیں بلکہ اس دنیا کو صفاتِ خداوندی کا آئینہ دار بنادینے کی بالارادہ کوشش کا نام ہے۔

عزیزانِ من! ذرا غور کیجئے کہ مغربی مفکرین کی نگاہ میں کس قدر تیز ہوتی ہیں۔ پرویز صاحب اکثر کہا کرتے ہیں کہ مجھے یاد ہی نہیں پڑتا کہ مجھے کسی رات بھی گہری نیند نصیب ہوئی ہو۔ جس شخص کا دماغ دن بھر گہری سوچوں میں غلطاں و پیچاں رہے، اسے گہری نیند آئیے سکتی ہے؟ پرویز صاحب نے اگر سوہنے نہ بتایا ہوتا تو ہمیں شاید ہی اس کا احساس ہوتا کہ ان کی آنکھیں گہری نیند کو ترسی ہوئی ہیں۔ لیکن یہ مفکر پہلی فطر میں بھانپ لیتا ہے کہ اس شخص کی آنکھیں محروم خواب رہتی ہیں اور اس کی پیشانی کی لکیریں اس گراموفون دیکارڈ کی لکیریں ہیں جن میں صدیوں کی بادواستیں مستور ہیں۔ اس کے بعد اس نے اپنی ملاقات کا تفصیلی تذکرہ کیا ہے جس میں موضوع گفتگو بیشتر قرآن کے معاشی نظام اور کمیونزم کا تقابلی موازنہ تھا۔

۲۔ لیڈ کے مشہور مستشرق (DR. J. M. S. BALJON) نے ۱۹۶۱ء میں ایک کتاب

شائع کی جس کا عنوان ہے (MODERN MUSLIM KORAN INTERPRETATION) یعنی عصرِ جدید کے مسلم مفسرین قرآن - اس مقصد کے لئے اس نے برصغیر ہندو پاک سے تین مفسرین کا انتخاب کیا ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد (مرحوم)، علامہ عنایت اللہ خان (مشرقی (مرحوم) اور پرویز صاحب۔ کتاب میں اس نے مختلف موضوعات پر ان ہر سہ مشاہیر کے علمی فکری اور قرآنی افکار کا تقابلی جائزہ پیش کیا ہے۔ جس سے اس

کتاب نے بین الاقوامی شہرت حاصل کر لی ہے۔ پرویز صاحب کی شخصیت کا تعارف کراتے ہوئے وہ لکھتا ہے کہ:-

پرویز صاحب کی شخصیت کے حقیقی جوہروں کو ان کی درخشندہ تحقیقات اور بلند پایہ علمی صلاحیتوں میں تلاش نہیں کرنا چاہیے۔ مہداء فیض نے انہیں ان نوجوانوں کے لئے سچے کاموں کے علاوہ گھرا ہوا سفید و حیات، مذہبی سنگمر کی تلاش میں ہوا اعلیٰ صلاحیتوں کا استاد اور باپ کی طرح شفیق و دوست بنایا ہے۔ ان کی صاف اور شفاف نگاہ پیش آمدہ مسائل کی گہرائیوں تک پہنچ جاتی ہے اور ان کے متعلق ان کی بلا کاوش و تردد، صائب رائے اور آزادانہ فیصلے ان کے اطمینان قلب و شرح صدر کے آئینہ دار ہوتے ہیں۔ اس سے توقع کی جاسکتی ہے کہ ان کے اثر و نفوذ کا دائرہ دن بدن وسیع تر ہوتا جائے گا۔ (صفحہ ۱۵)

کس قدر صیحح ہے رائے اس محقق کی کہ پرویز صاحب کا اصلی مقام ایک شفیق اور غم خوار باپ کا ہے۔ ہم انہیں یونہی "بابا جی" نہیں کہتے۔!

۳۔ ڈاکٹر (FREELAND ABBOTT) امریکہ کی (TUFTS) یونیورسٹی کے شعبہ تاریخ کے صدر اور بین الاقوامی شہرت کے مالک ہیں۔ انہوں نے "اسلام اینڈ پاکستان" کے نام سے ۱۹۶۸ء میں ایک بلند پایہ کتاب شائع کی تھی۔ اس میں انہوں نے فکر پرویز احمد تحریک طلوع اسلام کے متعلق بڑی تفصیل سے دائرہ تحسین دینے کے بعد کہا ہے کہ:-
پرویز صاحب اس وقت پاکستان کے سب سے بڑے فعال اسلامی رہنما ہیں۔

(صفحہ ۱۳۹)

یہ کتاب فکر پرویز کو دنیا کے دور دراز گوشوں تک متعارف کرانے کا موجب بن گئی ہے۔

۴۔ مستشرقین مغرب ہیں پروفسر (E. J. ROSENTHAL) کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ انہوں نے (ISLAM IN THE MODERN NATIONAL STATE) کے عنوان سے ایک شہرہ آفاق کتاب لکھی ہے جسے کیمبرج یونیورسٹی پریس نے ۱۹۶۵ء میں شائع کیا۔ اس میں انہوں نے پاکستان میں مختلف اسلامی تحریکوں کا وسیع جائزہ لیا اور پرویز صاحب امدان کی تحریک کا ذکر خاصی تفصیل سے کیا ہے۔

۵۔ سنہ ۱۹۶۸ء میں عزیز احمد اور G. E. YONGRUEBAUM کی مشترک تصنیف (MUSLIM SELF STATEMENT IN INDIA & PAKISTAN) کے نام سے شائع ہوئی تھی جس میں انہوں نے سرسید (علیہ الرحمۃ) سے لے کر صدر ایوب خان تک کے دور کے مختلف فکری اور سیاسی راہ نمایان ملت کی اسلامی کاوشوں کا تفصیلی جائزہ لیا ہے۔ اس میں ایک پورا باب پرویز صاحب کی فکر و تحریک کے لئے وقف ہے۔

عزیز احمد صاحب نے ایک اور کتاب (ISLAMIC MODERNISM IN INDIA AND PAKISTAN)

کے نام سے تصنیف کی جسے ۱۹۶۷ء میں آکسفورڈ یونیورسٹی پریس نے شائع کیا تھا۔ اس میں بھی پرتیز صاحب کی فکر و تحریک کا جائزہ لیا گیا ہے۔

۴۔ کچھ عرصہ پہلے (Mc GILL) پرنسٹن یونیورسٹی (کنیڈا) کی طرف سے (MISS SHEILA Mc DONOUGH) نامی ایک طالبہ ڈاکٹریٹ کے لئے اپنی تھیسس کی غرض سے پاکستان آئی تھی۔ وہ کافی عرصہ یہاں رہی اور اس کے بعد (THE AUTHORITY OF THE PAST) کے عنوان سے اپنا تحقیقاتی مقالہ لکھا جسے امریکی اکادمی آف ریلیجیون نے ۱۹۷۷ء میں شائع کیا۔ اس میں اس نے سرسید، اقبالؒ اور پرتیز کو اپنی تحقیق کا موضوع قرار دیا ہے۔ مقالہ اگرچہ ایک طالبہ اسلام کا ہے لیکن اس سے اس حقیقت کا پتہ چلتا ہے کہ امریکہ اور کنیڈا وغیرہ کی یونیورسٹیاں فکر پرتیز کو ڈاکٹریٹ کے لئے تحقیقاتی مقالات کا موضوع منتخب کر رہی ہیں۔ عجیب معلوم ہوا ہے کہ (Mc DONOUGH) نے (SOCIAL IMPORT OF PARWEZ' RELIGIOUS THOUGHTS) کے نام سے ایک اور تحقیقاتی مقالہ بھی شائع کیا ہے۔ وہ ابھی تک ہمارے نظروں سے نہیں گذرا لیکن علمی حلقوں میں اس کا بھی ذکر آتا ہے۔

۵۔ سرٹرن لینڈ کے ڈاکٹر (P. ROBERT A. BUTLER) پنجاب یونیورسٹی کے شعبہ لاطینی سے وابستہ اور عیسائی مشنری حلقہ کی ایک ممتاز شخصیت ہیں۔ فکر پرتیز کے ساتھ ان کی وابستگی کا اندازہ اس سے لگائیے کہ وہ طلوع اسلام کا التزاماً مطالعہ کرتے ہیں اور پرتیز صاحب کی کوئی کتاب ایسی نہیں جسے وہ، اس کے شائع ہونے کے ساتھ ہی حاصل نہ کر لیتے ہوں۔ سال گذشتہ انہوں نے اپنے مضمون دراز کے مطالعہ کا ماحصل (IDEOLOGICAL - REVOLUTION THROUGH THE QURAN) کے نام سے ایک تحقیقاتی مقالہ کی شکل میں شائع کیا جس نے مشنری دوائر میں بالخصوص بڑی شہرت حاصل کی۔ اس مقالہ کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگائیے کہ اب حال ہی میں اس کا فرانسیسی زبان میں ایڈیشن ٹیونس (مراکو) سے شائع ہوا ہے۔

میں نے ان چند ایک کتابوں کا ذکر مثال کے طور پر کیا ہے ورنہ خود ان کتابوں کے اندر متعدد دیگر کتابوں کے حوالے موجود ہیں جن میں فکر پرتیز کے متعلق بحث کی گئی ہے۔ اس سے دو باتیں واضح ہیں۔ ایک تو یہ کہ پرتیز صاحب اکثر کہا کرتے ہیں کہ حق کی آواز میں اتنی قوت ہوتی ہے کہ وہ فوارہ کی طرح اپنے زور و زلف سے اوپر اٹھتی اور آگے بڑھتی ہے۔ اس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔ پرتیز صاحب کی تمام کتابیں (بجز ایک) اردو زبان میں ہیں اور ان کی پبلیٹی کا یہ عالم ہے کہ اسپانہ طلوع اسلام کے سوا ان کا کہیں ذکر تک نہیں آتا۔ انہیں اخبارات اور مجلات میں تبصرہ کے لئے بھیجا جاتا ہے تو وہ کتنا ہیں دکھ لیتے ہیں لیکن ان پر (موافق نہ سہی مخالف ہی سہی) تبصرہ نہیں کرتے۔ اس کے باوجود آپ دیکھئے، کہ

یورپ اور امریکہ کی منکر گاہوں میں فکر و تحریک پرویز پر ریسرچ ہوتی ہے اور کتابیں اور مقالے شائع ہوتے ہیں۔

میرے تحریری لٹریچر کے علاوہ اس فکر کی نشر و اشاعت کے لئے ایک اور ذریعہ ابلاغ بھی اختیار کیا گیا ہے جو اس سے بھی زیادہ مؤثر ثابت ہو رہا ہے۔ اور وہ ہے میرے ہفتہ داری درس قرآن مختلف تقاریب پر خطابات، اور تقاریر کی بذریعہ (CASSETTES) نشر و اشاعت۔ ان درس و خطابات وغیرہ کے "اسٹریپ" ادارہ میں تیار کئے جاتے ہیں۔ پھر انہیں کیسٹس پر ریکارڈ کر کے عام کیا جاتا ہے۔ یہ سلسلہ پاکستان کی مشہور بیستیوں کے علاوہ یورپ اور امریکہ تک کے مراکز میں جاری ہے اور اس کے بڑے امید افزا نتائج سامنے آ رہے ہیں۔

اس تحریک کی ایک نمایاں خصوصیت یہ بھی ہے کہ اسے کہیں سے کوئی مالی امداد نہیں ملتی۔ جو لوگ اس فکر کو اچھا سمجھتے ہیں وہ اپنے ہی ذرائع سے اپنے طور پر اس کی نشر و اشاعت کا انتظام کرتے ہیں۔ خود ادارہ طلوع اسلام بھی اپنے ہی ذرائع سے اسے چلا رہا ہے۔ یہ وجہ ہے کہ یہ کسی مصلحت اندیشی، جذبہ مفاد پرستی، تذبذب اور جھجک کے بغیر خالص قرآن کی آواز کو بلند کئے چلا آ رہا ہے۔ حق و صداقت کی آواز کا گلا، مصلحت کو شایاں اور مفاد پرستیوں کو مٹاتی ہیں اور یہ اللہ کا احسان ہے کہ اس تحریک کا گلا ان مصلحتوں کی دسترس سے باہر ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ جو کچھ ہم نے آج تک کیا ہے اور جو کچھ کہہ رہے ہیں حالات اس سے زیادہ کچھ کرنے کے متقاضی ہیں۔ یعنی اس میں زیادہ سے زیادہ وسعت پیدا کرنے کے۔ لیکن ہم اپنی قرآنی آزادی کی قیمت پر ان ذرائع کو حاصل کرنا نہیں چاہتے۔ قرآن کی آواز کو اگر مصلحت پرستی کو مٹ کر دے تو میرے نزدیک یہ شرک و جلی ہے اور عدالت خداوندی میں شرک سے زیادہ سنگین جرم کوئی نہیں۔ بارگاہ خداوندی سے میری استدعا بھی یہی ہے کہ وہ مجھے اس کی توفیق عطا فرمائے کہ جس طرح میں نے اور میرے رفقاء نے اس تحریک کو ابھی تک شرک سے آلودہ نہیں ہونے دیا۔ اسی طرح اس کے بعد بھی یہ پاک اور صاف رہے۔

(۷)

آخر میں، میں اپنے رفقاء سفر کی خدمت میں بالخصوص دو ایک گذارشات پیش کرنا چاہتا ہوں۔ آپ احباب نے اس وقت تک میرے پروگرام کی تکمیل کے لئے جس مخلصانہ رفاقت کا ثبوت دیا ہے، اس کا گہرا نقش میرے دل پر ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ جیسے رفقاء سفر پر رہبر و حیات کے نصیب کرے۔ بعض اوقات مجھ سے کہا جاتا ہے کہ ہم اتنے طرھے سے اس آواز کو بلند کر رہے ہیں لیکن لوگ اس طرف بہت کم متوجہ ہوتے ہیں۔ اس کے مقابلے میں دوسری جماعتوں کو دیکھئے تو ان کے پیچھے لاکھوں افراد نظر آتے ہیں۔ اس کا تفصیل جواب میں اپنے اس خطاب میں دے چکا ہوں، جو میں نے یوم پاکستان کی تقریب منعقدہ ۲۳ مارچ ۱۹۷۹ء پر پیش کیا تھا اور جس کا عنوان تھا..... "بھولے ہوئے افسانے"..... اس میں میں نے بتایا تھا کہ ایک انقلابی کی راہ ان لوگوں کی راہ سے

کس قدر مختلف اور دشوار گزار ہوتی ہے جو عوام کے عقائد اور رسوم و مناسک کی تائید کے لئے اٹھتے ہوں۔ بالفاظ دیگر دین کی طرف دعوت دینے والے کی راہ مذہب کے مبلغوں کی راہ سے بالکل مختلف اور صعوبت انگیز ہوتی ہے۔ آپ احباب کی آگہی کے لئے میں ان الفاظ کو دہراتا ہوں جو بنی نے سنہ ۱۹۲۲ء کی کنولوشن میں کہے تھے۔ انہیں غور سے سنئے اور دلیل راہ بنا لیتے۔

”یہ ٹھیک ہے، ہماری برسوں کی لگ بھگ و تازہ سے، گنتی کے افراد ہمارے شریک سفر ہوئے ہیں، اور مذہب پرست طبقہ کی ایک آواز پر لاکھوں افراد ان کے پیچھے لگ جاتے ہیں۔ اس کی بین وجہ یہ ہے کہ وہ لوگ پانی کے بہاؤ کے ساتھ تیرتے ہیں اور آپ اس کے چڑھاؤ کی طرف جاتے ہیں۔ وہ لوگ عوام کو انہی باتوں کی دعوت دیتے ہیں جنہیں وہ پہلے سے مان رہے ہیں، اور آپ انہیں ان راستوں پر چلنے سے روکتے ہیں جن پر وہ صدیوں سے آنکھیں بند کر کے چلے آ رہے ہیں۔ نتیجہ اس کا ظاہر ہے۔ آپ ذرا غور کیجئے کہ بنی اسرائیل کی طرف خدا کے دو جیل العتدر بنی حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون مبعوث ہوئے ہیں۔ وہ برسوں تک ان کی تعلیم و تربیت میں اپنا خون پسینہ ایک کر دیتے ہیں لیکن اس کا نتیجہ صرف اس قدر نکلتا ہے کہ۔ **وَمَا آتَمَّتْ لِمُوسَىٰ إِلَّا ذُرِّيَّتَهُ يَمُوتُ**

فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ كَفَرُوا ان پر قوم کے چند فوجواؤں کے سوا کوئی ایمان نہ لایا۔ اس کے برعکس سامری انہیں ایک بت تراش کر دیتا ہے اور سامری قوم اس کے پیچھے لگ جاتی ہے۔ اس میں سامری کی کار یگری اس کے سوا کچھ نہ تھی کہ اس نے قوم کی نفسیات کا مطالعہ کیا اور گنوسالہ پرستی کے جو جذبات ان کے دل کی گہرائیوں میں پہلے سے موجود تھے، ان کی تسکین کا سامان فراہم کر دیا۔ یہی ہر مذہب کا سامری کرتا ہے۔ وہ قوم کی خوشے بت پرستی سے نادمہ اٹھاتا ہے اور ان کے فطری عبودیت کی تسکین کے لئے ایک نیا بت تراش کر دے دیتا ہے۔ اور خود اس بت کدہ کا بچا رہی (مہنت) بن جاتا ہے۔ وہ اس بت تراشی میں بھی ایک پانی اپنی جیب سے خرچ نہیں کرتا۔ وہ قوم ہی کے زبوروں کو ڈھال کر انہیں ایک بت بنا کر دے دیتا ہے۔

جب تک قوم میں خوشے بت پرستی موجود ہے، کسی بت ساز کو بھی بچا رہیوں کی کمی کی شکایت نہیں ہو سکتی۔ ہر جگہ آباد ہوگا، صرف اس فرق کے ساتھ کہ جس بت خانے کا مہنت زیادہ تھا اور چالاک ہوگا اس میں چڑھاؤ زیادہ چڑھے گا۔ آپ دیکھتے ہیں کہ آپ کے ہاں پہلے سے اس قدر خافیا ہوں، درگاہوں اور مقبروں کی موجودگی کے باوجود ہر نئی قبر پر کس دھوم دھام سے میلہ لگتا ہے۔ اس میلے کی رونق کا راز، اس قبر کی جاذبیت میں نہیں، بلکہ قوم کی خوشے بت پرستی میں مضمر ہوتا ہے۔ اس کے برعکس جو شخص قوم کے دل سے بت پرستی کے جذبات نکالنا چاہتا ہے اس کی منزل بڑی کٹھن اور اس کے راستے بڑے پتھر دار ہوتے ہیں۔ دین اور مذہب کی یہی وہ کش مکش ہے جس میں صاحبِ ضربِ کلیم کا ساتھ تو قوم کے چند افراد دیتے ہیں اور سامری کے پیچھے ساری قوم لگ جاتی ہے۔ یہی چار ہزار سال پیشتر ہوتا تھا اور یہی آج ہوتا ہے۔ اس لئے برادرانِ من! آپ نہ تو

اپنی دعوت کے نتائج کی سب سے زیادہ روئی سے گھبراہٹ اور نہ ہی سامریانِ عصرِ حاضر کی کامیابی کو ان کے مسلک کی صداقت کی علامت سمجھتے۔ آپ صرف یہ دیکھتے کہ آپ کی دعوت، اس پیغام کی نقیب ہے یا نہیں جسے خدا کی کتاب پیش کرتی ہے۔ اسے قدم قدم پر جانچتے رہتے۔ اور اس کی خاص احتیاط برتتے کہ اس دعوت کی کامیابی کے لئے کوئی طریق ایسا اختیار نہ کیا جائے جو ضابطہ خداوندی کے نزدیک پسندیدہ نہ ہو۔ یاد رکھئے! اس تحریک کی کامیابی کے لئے اگر آپ کا ایک قدم بھی غلط آگے گیا تو وہی آپ کی شکست اور ناکامی کا مقام ہوگا۔ اور اسے بھی اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ اس راستے میں سب سے زیادہ گراں بہا متاع سفر اور محکم ترین سامانِ حفاظت، آپ کی سیرت کی بلندی اور کبریا کی پختگی ہے۔ آپ کی کامیابی کا سب سے بڑا راز، آپ کی اپنی ذات کے ساتھ دیانت اور دوسروں کے ساتھ حسن معاملہ میں پوشیدہ ہے۔ اگر آپ نے اپنے اندر یہ جوہر پیدا کر لئے تو پھر آپ کو دنیا کی کوئی طاقت شکست نہیں دے سکتی کہ ۔

جہادِ زندگی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی خوشی عطا فرمائے۔

ربنا تقبل منا انک انت السميع العليم

(۱)

جیسا کہ شروع میں لکھا گیا ہے، پرویز صاحب نے یہ خطاب طلوع اسلام کنونشن ۱۹۶۳ء میں پیش کیا تھا۔ اب جو اسے دوبارہ شائع کرنے کی تجویز ہوئی تو انہوں نے اس پر اس انداز سے نظر ثانی کی ہے کہ اسے حالاتِ حاضرہ تک لے آئے ہیں۔ اس کا مطالعہ کرتے ہوئے اس حقیقت کو ہمیشہ نظر رکھیے۔

دین

اپنی مکمل، علی شکل میں عہدِ فاروقی میں قائم ہوا۔

اس کے کچھ عرصہ بعد یہ مذہب میں بدل گیا۔

دین کی وہ شکل کیا تھی اور یہ مذہب میں کیسے تبدیل ہو گیا؟ اس کی تفصیل پرویز صاحب کی مابینہ ناز کتاب

شاہکار رسالت

میں ملے گی۔

قیمت مجلد - ۲۵ روپے (علاوہ محمولہ ٹاکس) ملنے کا پتہ

(۱) مکتبہ دین و دانش چوک اردو بازار لاہور (۲) ادارہ طلوع اسلام ۲۵ بی۔ گلبرگ لاہور